

دیوانِ
غالب

جرمن ایڈیشن



نادر نقیث اور معتبر جرمن ایڈیشن

دیوانِ غالب

ریاض (فارسی)
اسد اللہ غالب
ترجمہ پیش فقط
ڈاکٹر سعید معین الرحمن

کلاسیک
42۔ وی مال لاہور

دیوان غالب

مجلد

مکتبہ جامعہ عربیہ اسلامیہ

مطبعہ شرقیہ مصر

۱۳۱۳ھ

۱۹۹۵ء



ہیں اور بھی دنیا میں کھنڈر بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب آج ہے اندازِ بنیاں اور

جملہ حقوق بحق کلاسیک لاہور

ISBN 969-28-0127-6

جنوری 2001ء

قیمت - 100 روپے

ناشر: آغا امیر حسین

کلاسیک (چوک ریگل) دی مال - لاہور

طابع: ایئر ریفس پرنٹرز - لاہور

کمپوزنگ: ذیشان حیدر

پروف خوانی: محیہ اسماعیل

ڈاکٹر سید معین الرحمن

دیباچہ

ڈاکٹر ذاکر حسین (1897ء - 1969ء) کو بقول کے
حسن سے علاقہ ازلی تھا اور وہ زندگی کی ہر اچھی چیز سے محبت کرتے
تھے۔ غالب علی گڑھ اور رشید احمد صدیقی کے وہ بطور خاص ہمیشہ یڑے
مداح و متاد اور قدردان رہے۔ علی گڑھ اور رشید صاحب
(1892ء - 1977ء) سے اُن کے رابطے اور رشتے کی بات
چھیڑنے کا یہ محل نہیں۔ یہاں صرف غالب (1797ء - 1869ء)
سے اُن کے تعلق خاطر کا ذکر مقصود ہے جو اُن کی کم سنی سے کہن سالی تک
برقرار اور شاداب رہا۔

ڈاکٹر حسین (سابق صدر جمہوریہ ہند) اعلیٰ تعلیم کیلئے 1922ء
میں جرمنی گئے جہاں وہ تین ساڑھے تین سال مقیم رہے۔ ذاکر صاحب
کے بھائی ڈاکٹر یوسف حسین خاں (1902ء - 1979ء)
بتاتے ہیں کہ

”اُس زمانے میں برلن میں فارسی زبان کی کتابوں کی
طباعت کیلئے ایک مطبع تقی زادہ نے قائم کیا تھا جس کا نام کاویانی پریس

تھا۔ مطیع کے منبر غنی زاوہ سے ذاکر میاں کے ذاتی تعلقات تھے۔ ذاکر میاں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ میں کمپوزنگ کا کام سیکھنا چاہتا ہوں۔ فنی زاوہ نے کہا بہت اچھا! پریس حاضر ہے۔ ۱۱، چنانچہ وہ کمپوزنگ سیکھنے کیلئے کاویانی پریس جانے لگے۔ جب مہارت ہوگئی تو اپنے ہاتھ سے دیوان غالب کمپوز کر کے وہیں سے شائع کیا اور اس کے پورے اخراجات خود برداشت کئے۔“

(یادوں کی دنیا، ڈاکٹر یوسف حسین خاں، اعظم گڑھ 1967ء، صفحہ 93)
 پروفیسر ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی (1917ء - 1995ء) نے بھی جو ذاکر صاحب کے بڑے قریب اور اُن کے حبیب رہے ایک موقع پر بتایا ہے کہ

”معتوق خوب رو اور بد لباس ‘ یہ انہیں (ذاکر صاحب کو) گوارا نہ تھا۔ اس لئے کاویانی پریس برلن میں دیوان غالب اپنے دست خاص سے کمپوز کر کے شائع کیا جو حروف کی دل آویزی رنگوں کی ہم آہنگی، جلد کی خوبصورتی اور جرمن موقلم کی سحرکاری میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔“

(پیش لفظ انتخاب غالب از ڈاکٹر ذاکر حسین، دہلی 1970ء، صفحہ 3)
 ڈاکٹر صادق ذکی (جامعہ گمرکنی، دہلی) نے پروفیسر محمد مجیب

(1902ء - 1985ء) کی "حیات اور آرزو خدمات" پر ڈاکٹر گوپی چند نارنگ (سابق صدر شعبہ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کی نگرانی میں جامعہ ملیہ اسلامیہ سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ انہوں نے تحقیقی مقالے میں "دیوان غالب" (برلن ایڈیشن) کی کمپوزنگ کے کام کو پروفیسر محمد مجیب کے کھاتے میں شمار کیا ہے۔ وہ لکھنؤ میں کہ محمد مجیب صاحب کو

"عبدالرحمن بجنوری (1885ء - 1918ء) نے مشورہ دیا کہ وہ جرمنی میں پریس کا کام سیکھ لیں۔ ان کے ذہن میں یہ منصوبہ تھا کہ وہ دہرہ دون میں جامعہ کی طرح کا ایک ادارہ قائم کریں اس لئے پریس قائم کرنے کی ایک تجویز بھی ان کے پیش نظر تھی۔ اس خیال سے محمد مجیب (جو اس زمانے میں آکسفورڈ میں تھے) برلن کیلئے عازم سفر ہوئے یہاں (ڈاکٹر) عابد حسین (1896ء - 1978ء) اور (ڈاکٹر) ذاکر حسین خاں پہلے سے قیام پذیر تھے۔ محمد مجیب صاحب نے برلن کے کادیانی پریس میں طباعت کا کام شروع کیا۔ ذاکر صاحب کی فرمائش پر اسی پریس میں دیوان غالب کی اشاعت عمل میں آئی۔ کمپوزنگ کا کام محمد مجیب صاحب نے انجام دیا۔ عابد صاحب نے پروف دیکھے "

(ڈاکٹر صادق ذکی محمد مجیب حیات اور آرزو خدمات نئی دہلی 1984ء ص 37)

ڈاکٹر ذاکر حسین ڈاکٹر عابد حسین اور پروفیسر محمد مجیب کی باہم فکری اور قلبی رفاقت اور قربت ہمیشہ مثالی رہی۔ یہ کیسا حسن اتفاق ہے کہ یہ کرشماتی تشکیک "دیوان غالب" کی اولین حسین و جمیل تشکیل سے بھی ایسی جڑی ہوئی ہے کہ کسی ایک کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں۔ بیگم صالحہ عابد حسین (1913ء - 1988ء) نے بالکل ٹھیک کہا ہے کہ "جرمنی کے شہر (برلن) میں بیٹھ کر "دیوان غالب" چھاپا گیا۔ یہ ان تین دوستوں کی کاوش کا نمونہ ہے جن کے نام زندگی بھر ساتھ لئے جاتے رہے اور شاید (مستقبل) میں بھی لوگ ان کو جدانہ کر سکیں گے۔ عابد صاحب نے "دیوان غالب" کو ایڈٹ کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے مشوروں کے علاوہ مالی بوجھ بھی برداشت کیا اور مجیب صاحب نے اپنے ہاتھ سے اس دیوان کو کاویائی پریس میں چھاپا اپنی خوبصورتی، خوش ذوقی، نزاکت و نفاست کے لحاظ سے یہ دیوان غالب ایسا تھا جس کی اہمیت اور حسن آج بھی منفرد ہے۔



"دیوان غالب" کا یہ برلن (جرمن) ایڈیشن اب کیا ہے ڈاکٹر یوسف حسین خاں کے بقول "یہ دیوان چھوٹے سائز پر ہے۔ کاغذ نہایت اعلیٰ درجے کا لگایا گیا ہے۔ میل دار جدول اور

دورنگی چھپائی نے اسے نہایت دیدہ زیب بنا دیا ہے۔ ایسا کہ اس شان کا ”دیوان غالب“ اس سے پہلے کہیں نہیں چھپا تھا۔ اس کی جلد بھی نہایت خوبصورت اور پاکیزہ ہے۔ اس پر لکھاوٹ اور رنگوں کی ہم آہنگی اس کے حسن کو دوبالا کرتے ہیں۔ جلد میں ایسی نرمی ہے کہ چھوؤ تو ایسا محسوس ہو جیسے اس کے اندر نرم اور نازک ننھے ننھے پتلے پتلے گدوں کی جھیں جھی ہوئی ہیں۔“

(یادوں کی دنیا ایضاً ص ۱۰۴-۱۰۳)

”دیوان غالب“ کے اس برلن (جرمن) ایڈیشن کی ایک خاص انفرادیت اور امتیاز اس میں غالب کی ایک رنگین تصویر کا شمول بھی ہے۔ یہ تصویر ڈاکٹر ذاکر حسین خاں کی غالب سے محبت اور جمالیات سے ان کے گہرے شغف پر منظر ہے۔ ڈاکٹر یوسف حسین خاں بتاتے ہیں کہ غالب کے اس دیوان کے ساتھ غالب کی جو تصویر دی گئی ہے وہ (شہر) لایپزگ (Leipzig) کے ایک مشہور مصور نے بنائی تھی۔ ”اردوئے معلیٰ“ (طبع اول ۱۸۶۰ء) اور ”یادگار غالب“ (طبع اول ۱۸۹۷ء) میں غالب کی شخصیت کا جو تصور قائم کیا اُسے اپنی تصویر میں خطوط اور رنگوں کے لطیف استخراج سے پیش

کر دیا۔ اسے یقیناً مصور کا کمال کہنا چاہیے کہ اس نے غالب کی شخصیت کے جوہر کو صحیح سمجھا اور اپنے موقلم سے اسے زندہ جاوید بنا دیا۔ اب غالب کی یہ خیالی تصویر اپنے فنی کمال کے باعث اصلی خیال کی جاتی ہے۔ جب کاویانی پریس کا مطبوعہ ”دیوان غالب“ ہندوستان پہنچا تو ہر صاحب ذوق نے اسے قدر کے ہاتھوں لیا۔ بہت جلد وہ ایڈیشن ختم ہو گیا تو دوسرا ایڈیشن مکتبہ جامعہ کو برلن سے منگانا پڑا۔

(ڈاکٹر یوسف حسین خاں ایضاً ص 4)

”دیوان غالب برلن ایڈیشن 1924ء میں چھپا اس کا دوسرا ایڈیشن 1343ھ/1925ء میں شائع ہوا۔ برلن (جرمنی) سے چھپے ہوئے اس نادر و نفیس ایڈیشن کا ایک نسخہ ادارہ کلاسیک کے آغا امیر حسین صاحب کے پاس اُن کے والد محترم سید صفیر حسین مرحوم کی یادگار کے طور پر محفوظ ہے۔ گرم و سرد زمانہ کے باعث اس نسخے کی جلد اس کا سرد و رق غالب کی رنگین تصویر دیوان کے آغاز میں غالب کا فارسی دیباچہ اور دیوان کے پہلے دو صفحے ضائع ہو چکے ہیں۔ آغا صاحب کا مملوک یہ نسخہ ان معنوں میں ناقص آخر بھی ہے کہ صفحہ 273 سے 276 تک کے اوراق و ستمبر و زمانہ کی نذر ہو چکے۔ اوّل و آخر کے ان گم شدہ اوراق کی عکسی نقول میں نے اپنے ذخیرہ غالب میں محفوظ نسخہ برلن

(جرمنی) سے مہیا کی ہیں۔ (۱۲)

برلن (جرمن) ایڈیشن کے آغاز میں "دیباچہ مصنف" کے عنوان سے غالب کی جو فارسی تحریر دی گئی اس کی مشینی کپیورنگ میں کئی سہوور آئے ہیں۔ انہیں زیر نظر (تازہ) ایڈیشن میں مصدقہ ماخذ سے درست کروایا گیا ہے۔

غالب کے اردو دیوان کا یہ فارسی دیباچہ غالب نے 1833ء میں لکھا جبکہ ان کا اردو دیوان پہلی بار 1841ء میں چھپا۔ غالب کی زندگی میں ان کے چھپنے والے دیوان کے ہر اردو ایڈیشن میں یہ فارسی دیباچہ شامل رہا۔ برلن (جرمن) ایڈیشن میں بھی یہ فارسی دیباچہ غالب موجود ہے۔ اور چھوٹی تقطیع کی ستائیس اٹھائیس سطروں میں آیا ہے۔ غالب کے اس فارسی دیباچے کا اردو ترجمہ بھی دیا جا رہا ہے جسے زیر نظر ایڈیشن کا امتیاز خاص کہنا چاہیے۔ کہنے کو یہ فارسی دیباچہ چند سطری ہے لیکن ترجمے کیلئے یہ کتنا سنگاخی ہے اس کا اندازہ کچھ اس کام کو ہاتھ میں لینے ہی سے ہو سکتا ہے۔ ترجمے کا یہ کار دشوار ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں ڈاکٹر نجم الاسلام ڈاکٹر فرمان فتح پوری اور بالآخر ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی کی رہنمائی اور رفاقت میں آسان ہوا۔

آخر میں یہ کہنا غیر متعلق نہ ہو گا کہ دیوان غالب کا برلن

(جرمن) ایڈیشن ٹائپ کمپوزنگ کے ساتھ چھپا تھا۔ آغا امیر حسین صاحب نے اس قدیم کمپوزنگ کو باقی نہیں رکھا۔ انہوں نے برلن ایڈیشن کے متن کو بنیاد بنا کر دیوان کو از سر نو نستعلیق میں کمپیوٹر پر تیار کر لیا ہے۔ اس سے پڑھنے والوں کو آسانی اور سہولت ہوگی۔ آغا صاحب نے ”خمیسے“ کے طور پر غالب کا کچھ متفرق کلام دوسرے ماخذ سے لے کر ”نسخہ برلن“ کے آخر (صفحہ 265-306) میں بڑھا بھی دیا ہے۔ اسے غالب دوستوں کیلئے اضافی سوغات خیال کرنا چاہیے۔ اگرچہ اس نئی صورت میں یہ ”جرمن ایڈیشن“ کب رہا؟ اسے ”دیوان غالب کلاسیک ایڈیشن“ کہنا زیادہ حسب حال اور بر محل ہوگا!

- 1۔ ڈاکٹر ذاکر حسین کے قریبی حلقے کے ایک بزرگ عبدالمطیف اعظمی (وفات یکم مارچ 1917ء) نے ایک موقع پر قصہ حق کی ہے کہ ڈاکٹر صاحب ”جرمنی میں کمپوزنگ کا کام اور خوشنما طباعت اور جلد سازی کے گریڈنگ پچے تھے۔“ (دیکھیے اعظمی صاحب کی مرتبہ کتاب ”ڈاکٹر ذاکر حسین شخصیت اور سیرت“ دہلی 1997ء صفحہ 12)
- 2۔ میں اپنے ذخیرے کے اس پیش قیمت خطے کیلئے اپنے عزیز دوست جمیل الرحمن عثمانی مرحوم (لاہور) کا رچین منت ہوں۔ خدا انہیں آسودہ خاک رکھے اور آخرت میں بیش از بیش عنایات اور آسانوں سے سرفراز فرمائے۔

ویناچه مصنف

میشام شمیم آشنایان راصلا و نهاد انجمن
نشینان را مژده که لختی از سامان مجمره گردانی
آماده و نامنی از عود پندی دست برسم داده است نه چو
بهای سنگ زوب خورده بهنجار ناطیقی شکسته بی
اندام تراشیده بلکه به نیر شگافته بکار و ریزریز
کرده بسوهان خراشیده اینور نفس گداختگی
شوق بجستجوی آتش پارسى است نه آتشی که
در کُلیخهای بند افسرده خاموش و از کف خاکستر به
مرگ خودش سبه پوش بینی چه بروی مسلم است
از ناپاکی بد استخوان مرده ناهار شکستن
و از دیوانگی به رشته شمع مزار کُشه آویختن بر
آنته بدل گداختن نیزد و بزم افروختن را نشاید رخ
آتش به صنع بر افروز نده و آتش پرست را با نادفراهِ
هم در آتش سوزنده نیک میدانند که پژوهنده در
هوای آن رخسند آذر بعل درفش است که چشم
روشنی هوشنگ از سنگ برون تافته و درایوان
لبر اسپ نشوونما یافته حسن را فروغ است و لاله
رارنگ و مغ را چشم و کده را چراغ بخشنده یزدان
درون به سخن بر افروز را سیاسم که شراری از آن

آتش تابناک به خاکستر خویش یافته بکار کاو سینه
 شتافته ام و از نفس دمه بران نهاده بود که در اندک
 مایه روزگاران آفتابیه فراهم تواند آمده که مجمره
 را فر روشنائی چراغ و رایحه عود را بال شناسائی
 دماغ تواند بخشید همانا نگارنده این نامه را آن
 درسراست که پس از انتخاب دیوان ریخته به گرد
 آوردن سرمایه دیوان فارسی برخیزد و استفاضه
 کمال این فریورفن پس زانوی خویشتن نشیند امید
 که سخن سرایان سخنور ستای پراگنده اییاتی را که
 خارج ازین اوراق بایند از آثار تراوش رک کلک این
 نامه سیاه نشاناسند و جامه گرد آور را در ستانش و
 نکوهش آن اشعار ممنون و ماخوذ نسگالتد یارب
 این وی هستی ناشتیده و از نیستی به پیدائی
 نارسیده یعنی نقش به ضمیر آمده نقاش که به اسد
 الله خان موسوم و به میرزا نوشه معروف به غالب
 متخلص است چنان که اکبر آبادی مولد و دهلوی
 مسکن فرجام کار نجفی مدنی نیز یاد

تمام شد بیست و چهارم شهر ذیقعد سنه هجری ۱۲۴۸

(مطابق ۱۳ اردیبهشت ۱۸۳۳ قمری)

غالب کے فارسی دیباچے کا اردو ترجمہ

خوشبو آشنایانوں کو دعوت عام اور بزم آرا طالع کیلئے خوش خبری ہے کہ اگر دان کی گردش کا کچھ سامان فراہم ہوا ہے اور جمہولی بھروسہ ہندی ہاتھ لگا ہے۔ یہ ایسی لکڑیاں نہیں جنہیں پتھروں کی ضرب سے خستہ کیا گیا ہو یا بد سیلنگی سے توڑ کر بے وضع تراشا گیا ہو بلکہ انہیں تھر سے چر کر پھری سے ریزہ ریزہ کرنے کے بعد ریتی سے ہموار کیا گیا ہے۔

اس وقت جذبہ شوق آتش باری کی جستجو میں بے دم ہے۔ یہ وہ آگ نہیں جو ہندوستان کی بھٹیوں میں پھنکر کر بجھی پڑی ہے اور جس نے مٹی بھر رکھ سے بھسوت مل کر خود اپنی موت پر نامی لباس پہن لیا ہے۔ اس آتش (ہندی) کی (مسلمہ) خاصیت ہے۔ اپنی ناپاکی کی بنا پر مردہ پڑیوں کا ناشتہ کرنا اور دیوالگی کے باعث بجھی ہوئی صبح مزار کے دھماگے سے معلق رہنا یہ کسی صورت بھی گدازی قلب کے لائق نہیں نہ ہی بزم افروزی کے قابل ہے۔

اپنی ضاعی سے آگ کا چہرہ روشن کرنے والا اور مہناہ کی پاداش میں آتش پرست کو (اسی) آگ میں جانے والا (یعنی خالق ارض و سما) خوب جانتا ہے کہ یہ جو بھندہ (یعنی مرزا غالب) اس آتش تابندہ کی تلاش میں ہے قرار ہے جو ہوشنگ کو مہارک یاد دینے کیلئے پتھر سے نقلی تھی اور جس نے لہر بسپ کے محل میں نشوونما پائی تھی۔ یہ وہ آگ ہے جو خس و خاشاک کو روشن کرتی اور گل والا کورنگ بخشی ہے جو سو بد کو آنکھ اور گھر کو چراغ فراہم کرتی ہے۔

میں باطن کو شعر و سخن کی روشنی عطا کرنے والے معبود کا شکر گزار ہوں
 کہ اس آتش تابناک سے اپنی خاکستر کیلئے ایک چنگاری حاصل کر کے سینہ
 کاوی میں لگا ہوا ہوں اور اپنے انفاس کی دھونگی سے اسے ہوا دے رہا ہوں۔
 ممکن ہے کہ کچھ دنوں تک اتنی مقدار مرہیا ہو جائے جو عود دان کو چراغِ افروزی کی
 شان اور پورے عود کو دماغِ آشتیائی کیلئے اڑان عطا کر سکے۔

اسی طرح راقم السطور (غالب) کا ارادہ ہے کہ ”دیوانِ ریختہ“
 کے انتخاب کے بعد فارسی دیوان کیلئے سرمائے کی جمع آوری پر کمر بستہ ہو اور
 اس فن شریف کے کمال سے مستفیض ہو کر نور و فکر میں مستغرق ہو جائے۔
 شاعروں کے قد و شناس قارئین سے توقع ہے کہ وہ ان پراگندہ ابیات کو جو
 اس دیوان سے خارج ہیں اس عاصی کی ترانیں قلم کا نتیجہ نہ سمجھیں
 اور ایسے اشعار کی تعریف و تعریض میں اس دیوان کے مرتب
 (غالب) کو ممنون و مامووز نہ ٹھہرائیں۔

ابھی اس وجودِ معدوم اور استی موعوم یعنی خفاش (ازل) کے نقش
 خاطر نشین کو جس کا نام اسد اللہ خاں عرفیت میرزا نوشہ اور نکلس غالب ہے
 جس طرح تو نے آگرہ کی ولادت اور دہلی کی سکونت بخشی ہے بالآخر حیف
 اشرف میں تربت بھی عطا فرما۔

(تمام شد بہت و چہارم شہرہ یقعدہ سنہ ہجری ۱۳۴۸ (مطابق ۱۴ اپریل ۱۹۳۳ء))

ترجمہ: ڈاکٹر سید معین الرحمن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱

نقش، فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا
کاغذی ہے پیر، بن ہز پیکر تصویر کا
کاؤ کا سخت جانی ہائے تمنا کی نہ پوچھ
صبح کرنا شام کا، لانا ہے جوے شیر کا
جذبہ بے اختیار شوق دیکھا چاہیے
سینہ شمشیر سے باہر، ہے دم شمشیر کا
آگنی، آتشیدین جس قدر چاہے بجھائے
ندما عتقا ہے اپنے عالم تقریر کا
بس کہ ہوں غالب! اسیری میں بھی آتش زہر پا
منوے آتش دیدہ، ہے حلقہ مری زنجیر کا

☆

جراحت تھو، الماس ارمغان، داغ جگر بدیہ
مبارک باد، اسد! غنچوار جان درد مصد آیا

☆

بُجو قیس اور کوئی نہ آیا بروے کار
صحرا مگر پہ سچی چشم حسود تھا
آشفقتی نے نقش سویدا کیا درست
ظاہر ہوا کہ 'داغ' کا سرمایہ دُود تھا
تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ
جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سود تھا
لیتاہوں مکتب غم دل میں سبق 'ہنوز'
لیکن یہی کہ "رفت" گیا اور "بود" تھا
دھانپا کفن نے داغ عیوب پر ہنگی
میں 'ورنہ' ہر لباس میں تنگ وجود تھا

تیٹھے بغیر 'مر نہ سکا کو بجن' اسدا
سر گشتہ خمار رسوم و قیود تھا



کہتے ہوئے دیں گے ہم 'دل اگر پڑا پیا
دل کہاں کہ گم کبھی' ہم نے مدعا پیا
عشق سے طبیعت نے زیت کا مزا پیا
درد کی دوا پائی 'درد بے دوا پیا
دوستدار دشمن ہے 'اعتماد دل معلوم
آہ بے اثر دیکھی 'نالہ نارسا پیا
ساوگی و پرکاری 'نڈو دی و ہشیاری
حسن کو تغافل میں 'جرات آزمایا پیا
غنجہ پھر لگا کھلنے 'ہرج ہم نے اپنا دل
خوں کیا ہوا دیکھا 'گم کیا ہوا پیا

حال دل نہیں معلوم لیکن اس قدر یعنی
 ہم نے بار بار ڈھونڈھا تم نے بار بار پایا
 شورِ پندِ ناصح نے زخم پر نمک چھڑکا
 آپ سے کوئی پوچھے تم نے کیا مزا پایا؟

۶۶

دل مرا سوزِ نہاں سے بے مٹا باجل گیا
 آتشِ خاموش کے مانند گویا جل گیا
 دل میں ذوق و وصل و یادِ یار تک باقی نہیں
 آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا
 میں مددِ مت بھی پرے ہوں ذرہ مافلِ بارِبا
 میری آہِ آتشیں سے بالِ علقا جل گیا
 مرضِ کبھیے جو ہر اندیشہ کی گرمی کہاں
 کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرِ اجل گیا

دل نہیں تجھ کو دکھاتا اور نہ دامنوں کی بیمار
 اس چراغاں کا کمروں کیا ہمار فرما جل گیا
 میں ہوں اور افسردگی کی آرزو غالب آگے دل
 دیکھ کر طرزِ تپاک اہل دنیا جل گیا

شوق ' ہر رنگ رقیب سرو ساماں نکلا
 قیس تصویر سے پردے میں بھی عریاں نکلا
 زخم نے دلونہ دی تھی دل کی یارب!
 تیر بھی سینہ بسمل سے پر افشاں نکلا
 یوے گل ' ہائے دل ' درد چراغ محفل
 جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا
 دل حسرت زود تھا مائدۂ لذت درد
 کام یاروں کا بقدر اب و دندان نکلا

تھی نو آموز فنا ہمت و شہار پسند
 سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آساں نکلا
 دل نے پھر گریے نے اک شہر اٹھلایا غائب!
 آہ! جو قطرہ نہ نکلا تھا سو طوفان نکلا

۶۶

دھمکی میں مر گیا جو نہ باب نبرد تھا
 عشق نبرد پیشہ طلبگار مرد تھا
 تھا زندگی میں مرگ کا کھکا لگا ہوا
 اڑنے سے پیشتر بھی مر لنگ زرد تھا
 تالیف نسخہ ہائے وفا کر رہا تھا میں
 مجموعہ خیال ابھی فرد فرد تھا
 دل تاجگر کہ ساحل دریائے خوں ہے اب
 اس رہگزر میں جلوہ گل آگے گرد تھا

جاتی ہے کوئی کش معش اندوہ عشق کی
 دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا درد تھا
 احباب چارہ ساری وحشت نہ کر سکے
 زنداں میں بھی خیالِ میاں نور و تھا
 یہ لاش بے کفن اسدِ خستہ جاں کی ہے
 حقِ مغفرت کرے! عجب آزاد مرد تھا



شمارِ سُجھ مر غوب بہت مشکل پسند آیا
 تماشاے بہ یک کف بزوں صد دل پسند آیا
 بقیضِ بیدی نو مبدی جاوید آساں ہے
 کشائیش کو ہمارا عقدہ مشکل پسند آیا
 ہوائے سیرِ گل آئینہ بے مری قاتل
 کہ اندازِ غلوں غلطیدن بسمل پسند آیا



دہر میں 'نقشِ وفا' وجہِ تسلی نہ ہوا
ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندہٴ معنی نہ ہوا
ہنرۂ خط سے ترا کاکل سرکش نہ دیا
یہ زمرہ بھی 'حریفِ دمِ افقی' نہ ہوا
میں نے چاہا تھا کہ اندوہِ وفا سے چھوٹوں
وہ شکر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا
دل گزر گاہِ خیال مے و ساغر ہی سہی
گر نفسِ جاوہ سر منزلِ تقویٰ نہ ہوا
ہوں ترسِ عدو نہ کرنے میں بھی راضی کہ کبھی
گوشِ منت کشِ گلہ‌بگ تسلی نہ ہوا
کس سے محرومیِ قسمت کی شکایت کیجے
ہم نے چاہا تھا کہ مرجائیں سو وہ بھی نہ ہوا
مر گیا صدمہٴ یک جنبشِ لب سے 'غالب'
نا توانی سے حریفِ دمِ مہی نہ ہوا



ستائش گر ہے زاہد اس قدر جس باغ رضواں کا
وہ اک گلہ مست ہے ہم بے خودوں کے طاق نیساں کا
ہیاں کیا کیجئے، دیدلو کاوش ہائے مژگاں کا
کہ ہر یک قطرہ ٹوں، دن ہے تسبیح مرجاں کا
نہ آئی سطوت قاتل بھی مانع، میرے مالوں کو
لیا دانتوں میں جو تنکا ہوا ریشہ نیستاں
دکھاؤں گا تماشا، دی اگر فرصت زمانے نے
مرا ہر داغ دل، اک تخم ہے سرو چراغاں کا
کیا آئینہ خانے کا وہ نقش تیرے جلوے نے
کرے جو پر تو خورشید عالم شبنمستاں کا
مری تعمیر میں، مضمر ہے اک صورت خرابی کی
بیوی برق خرمن کا ہے خون گرم دہقان کا
اگا ہے گھر میں ہر سو سبزہ، ویرانی تماشا کر
مد لالہ کھودنے پر گھاس کے ہے میرے دہاں۔

خاموشی میں نہاں 'خوں' گشتہ لاکھوں آرزوئیں ہیں
 چراغِ مُردہ ہوں 'میں' بے زباں 'گور' غریباں کا
 ہنوز اک پر تو 'نقش' خیال یار باقی ہے
 دلِ افسردہ 'گویا' ٹھہرہ ہے یوسف کے زنداں کا
 بغل میں غیر کی آنچ آپ سوتے ہیں کہیں 'ورنہ'
 سبب کیا 'خواب' میں آکر تبسم ہائے پنہاں کا
 نہیں معلوم 'کس' کس کا 'سو' پانی ہوا ہو گا
 قیامت ہے سرِ شک آلودہ ہونا تیری مڑگاں کا
 نظر میں ہے ہماری جاوہِ راہِ فنا غالب!
 کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجزائے پریشاں کا



نہ ہو گا 'یک' بیاباں ماندگی سے 'ذوق' کم میرا
 حبابِ موجِ رفتار ہے 'نقش' قدم میرا
 محبت تھی چمن سے 'لیکن' اب یہ بے دماغی ہے
 کہ موجِ بے گل سے 'ناک' میں آتا ہے دم میرا

سرپا رہن عشق و نازِ بر افست ہستی
عبادت برق کی کرتا ہوں، اور افسوس حاصل کا
بھد، ظرف ہے، ساقی! خمارِ تشنہ کامی بھی
جو تو دریا سے ہے، تو میں خمیازہ ہوں ساحل کا

محرم نہیں ہے تو ہی، نولہائے راز کا
یاں ورنہ جو تہاب ہے، پردہ ہے ساز کا
رنگِ شکستہ صبحِ بیمارِ افکار ہے
یہ وقت ہے شہتاشِ کُلمائے ناز کا
تو، اور سوتِ غیرِ نظرِ ہائے تیز تیز!
میں، اور دکھِ تری مرثیہ ہائے دراز کا!
صرف ہے ضبطِ آو میں میرا، وگرنہ میں
طعم ہوں ایک ہی نفسِ جاں گداز کا

میں اس کے جوشِ بادت سے شیشے اچھل رہے
 ہر گوشہٴ بساط ہے سر شیشہ باز کا
 کدو کا دل کرے ہے تقاضا کہ ہے ہنوز
 ناخن پہ قرض اس گردِ نیم باز کا
 تاراجِ کدو شِ غمِ ہجر میں ہوا اسدا
 سینہ کہ تھا دھینے گمراہے راز کا

۷۰

یومِ شامِ بشلو میں اشعار کا دفن کھلا
 رکھو یارب! یہ درختِ حیاتِ گوہر کھلا
 شب ہوئی پھر انجمِ رخشندہ کا منظر کھلا
 اس تکلف سے کہ گویا بت کدے کا در کھلا
 گرچہ ہوں دیوانہ پر کیوں دوست کا کھاناں فریب
 آستیں میں دشنہ پناں ہاتھ میں نشتر کھا

گو نہ سمجھوں اس کی باتیں، گو نہ پاؤں اس کا بھید
 پر یہ کیا کم ہے کہ، 'مجھ سے وہ پری پیکر کھلا
 ہے خیالِ حسن میں حسنِ عمل کا سا خیال
 غلہ کا اک در ہے میری گور کے اندر کھلا
 منہ نہ کھلنے پر ہے وہ عالم کہ دیکھا ہی نہیں
 زلف سے بڑھ کر نقاب اس شوخ کے منہ پر کھلا
 در پہ رہنے کو کہا اور کہہ کے کیسا پھر گیا
 جتنے عرصے میں مرا لپٹا ہوا بستر کھلا
 کیوں اندھیری ہے شبِ غم؟ ہے بلاؤں کا نزول
 تاجِ لوصر ہی کو رہے گا دیدہ، اختر کھلا
 کید ہوں غربت میں خوش، جب ہو حلاوت کا یہ حال
 نامہ لاتا ہے، 'وطن سے' نامہ بر اکثر کھلا
 اس کی امت میں، ہوں میں میرے رہیں کیوں کامرند
 واسطے جس شہ کے، 'غالب'! گنبد بے در کھلا



شب کہ برقی سوزِ دل سے زہرہ لہر آب تھا
شعلے چو الہ ہر یک حلقہ گرد آب تھا
واں کرم کو عذہ بارش تھا عطاں گہرِ خرام
گریے سے یاں پنہا باش کتبِ سیلاب تھا
واں خود آرائی کو تھا موتی پر و نے کا خیال
یاں ہجوم اشک میں تارنگہ نیاب تھا
جلوہ گل نے کیا تھا واں چراغاں آہو
یاں رواں مژگان چشم تر سے خونِ ناب تھا
یاں سر پر شور بے خوابی سے تھا دیوارِ جو
واں وہ فرقِ ناز محوِ بالِش کنو اب تھا
یاں نفس کرتا تھا روشن شمعِ بزم بے خودی
جلوہ گل واں بساطِ صحبت احباب تھا

فرش سے تاعرشِ واں طوفاں تھا موجِ رنگ کا
یاں زمین سے آسماں تک سو سخن کا باب تھا
ناگماں اس رنگ سے خونا بہ پکانے لگا
دل کہ فوقِ کاوشِ ناخن سے لذتِ یاب تھا



نالہِ دل میں شبِ اندازِ اثرِ نایاب تھا
تھا سہنِ بزمِ وصلِ غیر، گو بیتاب تھا
مقیدِ سیلاب سے دل کیا نشاطِ آبِ گہا
خانہِ عاشقِ مگر سازِ صدائے آب تھا
نازشِ ایامِ خاکسترِ نشینی، کیا کہوں
پسلوے اندیشہ، وھبِ بسترِ خجاب تھا
کچھ نہ کی اپنے جنونِ نارِ سائے، ورنہ یاں
ذرتہ ذرتہ روکشِ خریدِ عالمِ تاب تھا

آج کیوں پروا نہیں اپنے امیروں کی تجھے
 کل تلک تیرا بھی دل مہر و وفا کا باب تھا
 یاد کرو وہ دن کہ ہر ایک حلقہ تیرے دام کا
 انتظارِ صید میں اک دیدہ بے خواب تھا
 میں نے روکا راتِ غالب کو، وگرنہ دیکھتے
 اس کے سیلِ گریہ میں ہر گردوں کتبِ سیلاب تھا



ایک ایک قطرے کا مجھے دینا پڑا حساب
 خونِ جگر، و دیعتِ مرثگانِ یار تھا
 اب میں ہوں، اور ماتمِ یک شہرِ آرزو
 توڑا جو تو نے آئینہ، شمالِ دار تھا
 گلیوں میں میری نقش کو کھینچے پھر وہ کہ میں
 جاں داؤد ہواے سرِ راہ گزار تھا
 موجِ سرابِ دشتِ وفا کا نہ پوچھ حال
 ہر ذرہ مثلِ جوہر تیغِ آبِ دار تھا

کم جانتے تھے ہم بھی غم عشق کو پر اب
دیکھا تو کم ہوئے پہ غم روزگار تھا



بمیرہ دشوار ہے ہر کام کا آسماں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا
گر یہ چاہے ہے خرابی مرے کاشانے کی
در و دیوار سے مجھے بے بیاباں ہونا
وای دیوانہ شوق کہ ہر دم مجھ کو
آپ جانا لودھر اور آپ ہی حیراں ہونا
جلوہ ازبسہ تقاضے نگہ کرتا ہے
جو ہر آنکھ بھی چاہے ہے مڑگاں ہونا
عشرت قتلِ محبہ اہل تمنا مت پوچھ
عیدِ نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا
لے گئے خاک میں ہم داغِ تمنائے نشاط
تو ہو اور آپ بہ صد رنگ گلستاں ہونا

عشرتِ پارہٴ دل، زخمِ تمنا کھانا
 لذتِ ریشِ جگر، غرقِ نمکدان ہونا
 کی، مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
 ہائے اس زودِ پشیمیاں کا پشیمیاں ہونا
 حیف اس چاہِ گرہِ کپڑے کی قسمت غالب
 جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریہاں ہونا

☆

شبِ خمارِ شوقِ ساقی زُخْمِ اندازہ تھا
 تا محیطِ بارہٴ صورتِ خانہٴ خمیازہ تھا
 یک قدمِ وحشت سے درسِ دفترِ امکاں کھلا
 چادہٴ اجڑاے دو عالمِ دشت کا شیرازہ تھا
 مانعِ وحشتِ خُراںِ ہائے لیلیٰ کون ہے
 خانہٴ مجنونِ صحرا گردِ بے دروازہ تھا
 پوچھ مت رسوائیِ اندازہٴ استغنائے حُسن
 دستِ مرہونِ حنا، رخسارِ رہنِ غازہ تھا

نالہ دل نے دیے اوراق تخت دل پہ باد
یادگار نالہ، یک دیوان ہے شیرازہ تھا

جہ

دوست، غنوارِی میں میری، سنی فرماوینگے کیا
زخم کے بھر نے تلک ناخن نہ بڑھ جاوینگے کیا
بے نیازی حد سے گزری، بندہ پرور! کب تلک
ہم کہیں گے حال دل اور آپ فرماوینگے کیا؟
حضرت صبح گر گوئیں، دیدہ و دل فرش راہ
کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھاوینگے کیا
آج واں تیغ و کفن باندھے ہوئے جاتا ہوں میں
عذر میرے قتل کرنے میں وہاب لاوینگے کیا؟
گر کیا ناصح نے ہم کو قید، اچھا، یوں سسی
یہ جنوں عشق کے انداز بچھٹ جاوینگے کیا؟
خانہ زلزلہ ہیں، زنجیر سے بھاگیں گے کیوں
ہیں گرفتار وفا، زنداں سے گھبراوینگے کیا!

ہے اب اس معمورہ میں قحطِ غمِ الفتِ اُسد!
ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں کھاویں گے کیا؟



یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے' یہی انتظار ہوتا
ترے وعدے پہ جیسے ہم' تو یہ جان' ٹھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے' اگر اعتبار ہوتا
تری نازکی سے جانا کہ بندھا تھا عہدِ یودا
کبھی تو نہ توڑ سکتا' اگر استوار ہوتا
کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیر نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی' جو جگر کے پار ہوتا
یہ کہاں کی دوستی ہے کہ 'سنے ہیں دوست' ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا' کوئی غمگسار ہوتا

رُگِ سَگ سے نچکتا وہ لہو کہ ' پھر نہ تھمتا
 جسے غم سمجھ رہے ہو' یہ اگر شرار ہوتا
 غم اگرچہ جاں غمّل ہے' پہ کہاں بچیں کہ دل ہے
 غم عشق گر نہ ہوتا' غم روزگار ہوتا
 کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شب غم بڑی بلا ہے
 مجھے کیا بڑا تھا مرنا' اگر ایک بار ہوتا
 ہوے مر کے ہم جور سوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا
 نہ کبھی جنازہ اٹھتا' نہ کہیں مزار ہوتا
 اسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا
 جو دوئی کی یو بھی ہوتی تو کہیں دوچار ہوتا
 یہ مسائلِ تصوف' یہ ترا بیان غالب!
 تجھے ہم ولی سمجھتے' جو نہ بارہ خوار ہوتا



ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا!
 تجاہل پیشگی سے مدعا کیا؟
 نوازش ہائے بجا دیکھتا ہوں
 نگاہ بے محابا چاہتا ہوں
 فروغِ شعلہ خس یک نفس ہے
 نفس 'موج محیطِ ثانوی ہے
 دماغِ عطرِ چراہن نہیں ہے
 دل ہر قطرہ ہے سازِ لہا لہر
 مہلا کیا ہے 'میں ضامنِ کوہِ رکھ
 سن اے عارِ نگر جنسِ وفا! سن
 کیا کس نے جگر داری کا دعویٰ؟
 یہ 'قاتلِ وعدہ' صبرِ آزما کیوں؟
 نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا!
 کہاں تک اے سرِ پا ہار کیا کیا!
 شکایت ہلے رنگیں کا گلا کیا!
 تغافل ہلے تمکینِ آزما کیا!
 ہوس کو پاس ناموسِ وفا کیا!
 تغافل ہلے ساقی کا گلا کیا!
 غمِ توارگی ہلے صبا کیا
 ہم اس کے ہیں 'بہارِ پوچھنا کیا!
 شمشیدانِ گنہ کا خوں بہا کیا!
 شکستِ قیمتِ دل کی صدا کا
 شکیبِ خاطرِ عاشق بھلا کیا
 یہ 'کافر' قندِ طاقت 'ربا کیا!
 بلاے جاں ہے غالب اس کی ہر بات
 عبارت کیا 'اشارت کیا' لوا کیا



درِ خورِ قمر و غضبِ جب کوئی ہم سانسہ ہوا
پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا
ہندگی میں بھی وہ آزلوہ و خود میں ہیں کہ ہم
اٹے پھر آئے 'درِ کعبہ اگر دانہ ہوا
سب کو مقبول ہے دعویٰ تری یکتائی کا
زو برو کوئی بہت آئینہ سیما نہ ہوا
کم نہیں نازش ہمنامی چشمِ خوباں
تیرا ہمارا 'بڑا کیا ہے' گرا چھانہ ہوا
سینے کا دلغ ہے 'وہ نالہ کہ لب تک نہ گیا
خاک کا رزق ہے 'وہ قطرہ کہ دریا نہ ہوا
نام کا میرے ہے 'جو دکھ کہ کسی کو نہ ملا
کام میں میرے ہے 'جو فتنہ کہ ہر پانہ ہوا



ہر بُنِ موسے دم ذکر نہ چپے خواب
 حمزہ کا قصہ ہوا 'عشق کا چرچا نہ ہوا
 قطرے میں دجلہ دکھائی نہ دے کور جزو میں کل!
 کھیل لڑکوں کا ہوا 'دیدۂ چنا نہ ہوا
 تھی خبر گرم کہ غالب کے لڑیگے پرزے
 دیکھنے ہم بھی گئے تھے' پہ تماشا نہ ہوا



اسد! ہم وہ جنوں جولاں گدا سے بے سرو پا ہیں
 کہ ہے سر پہنچے مرثگان آہو' پشت خار اپنا



چہ نذر کرم' تحفہ ہے شرمِ نارسائی کا
 ٹٹوں غلتیدہ صدرِ رنگِ دعویٰ پارسائی کا
 نہ ہو حسنِ تماشا دوستِ رسوا بے وفائی کا
 پہ مہرِ صدِ نظر ثبات ہے دعویٰ پارسائی کا

زکاتِ حسن دے 'اے جلوہٴ تیش! کہ مر آسا
 چراغِ خلغ درویش ہو' کا سہ گدائی کا
 نہ مارا جان کر بے جرم 'غافل' تیری گردن پر
 رہا مہندِ خون بے گنہ 'حق آشنائی کا
 تمنائے زباں بھو سپاں بے زبانی ہے
 مٹا جس سے تقاضا شکوہ بے دست و پائی کا
 وہی اک بات ہے 'جو یاں نفس' واں بھٹ گل ہے
 چمن کا جلوہ 'باعث ہے مری رنگیں نوائی کا
 وہاں ہر مت پیغامہ جو زنجیر رسوائی
 عدم تک بے وفا! چرا چاہے تیری بے وفائی کا
 نہ دے نامے کو اتنا طول 'غائب! مختصر لکھ دے
 کہ حسرتِ سنج ہوں 'عرضِ ستم ہاے جدائی کا



گرنہ اندوہ شبِ فرقت بیاں ہو جائیگا
 ہے تکلف داغِ مہ، مہرِ دہاں ہو جائیگا
 زہرہ گر ایسا ہی شامِ ہجر میں ہوتا ہے آب
 پر توِ مستاب، سیلِ خانماں ہو جائیگا
 لے تولوں سوتے میں اس کے پاؤ کا بوسہ مگر
 ایسی باتوں سے وہ کافر بدگماں ہو جائیگا
 دل کو ہم صرف وفا سمجھے تھے کیا معلوم تھا
 یعنی یہ پہلے ہی نذرِ امتحاں ہو جائیگا
 سب کے دل میں ہے جگہ تیری جو تو راضی ہوا
 مجھ پہ، گویا اک زمانہ مہرباں ہو جائیگا
 گر نگاہِ گرم فرماتی رہی تعلیمِ ضبط
 شعلہِ خس میں جیسے خوںِ رگ میں نہل ہو جائیگا

بلخ میں مجھ کو نہ لے جاؤ نہ میرے حل پر
 ہر گل تر، ایک چشمِ نونِ فشاں ہو جائیگا
 واسے! اگر میرا ترا انصاف محشر میں نہ ہو
 اب تلک تو یہ توقع ہے کہ واں ہو جائیگا
 فائدہ کیا، سوچ، آخر تو بھی دلنا ہے اسد!
 دوستی ناداں کی ہے، جی کا زیاں ہو جائیگا



درد منت کشِ دوا نہ ہوا	میں نہ اچھا ہوا، بد نہ ہوا
جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو	اک تماشا ہوا، گلا نہ ہوا
ہم کہاں قسمت آزمانے جائیں	تو ہی جب خنجر آزمانہ ہوا
کتنے شیریں ہیں تیرے لب کد قیب	گالیاں کھا کے بے مزانہ ہوا
ہے خبر گرم ان کے آنے کی	آج ہی گھر میں یوریانہ ہوا
کیا وہ نمرود کی خدائی تھی؟	بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا
جان دی دی ہوئی اسی کی تھی	حق تو یہ ہے کہ حق لوانہ ہوا

زخم گردب گیا، لونہ تھما کام گر رک گیا، روانہ ہوا
 رہزنی ہے کہ دل ستانی ہے؟ لے کے دل دل ستان روانہ ہوا
 کچھ تو پڑھیے کہ لوگ کہتے ہیں
 ”آج غالب غزل سرانہ ہوا“



گلہ ہے، شوق کو دل میں بھی سٹی جا کا
 ٹھہر میں محو ہوا اضطراب دریا کا
 یہ جانتا ہوں کہ تو، اور پانچ مکتوب!
 مگر ستمزدہ ہوں ذوقِ خامہ فرسا کا
 حنائے پائے خزاں ہے، بہار اگر ہے یہی
 دوامِ کلفتِ خاطر ہے، عیشِ دنیا کا
 غمِ فراق میں، تکلیفِ سیرِ باغ نہ دو
 مجھے دماغِ نہیں خندہ ہائے بجا کا

بنورِ محرمی حسن کو ترستا ہوں
 کرے ہے ہر بنِ مومِ کامِ چشمِ پینا کا
 دل اس کو پہلے ہی ناز و لوا سے دے بیٹھے
 ہمیں دماغ کہاں حسن کے تقاضا کا!
 نہ کہہ کہ گریہ بہ مقدارِ حسرتِ دل ہے
 مری نگاہ میں ہے جمع و خرچِ دریا کا
 فلک کو دیکھ کے کرتا ہوں اس کو یادِ اسدا!
 جفا میں اُس کی ہے اندازِ کارِ فرما کا

ۛۛۛ

قطرِ بے نعلِ حیرت سے نفس پرور ہوا
 خطِ جامِ مے 'سرا سرِ رفتہ' گوہر ہوا
 اعتبارِ عشق کی خانہ خرابی دیکھنا
 غیر نے کی گواہ لیکن وہ خفا مجھ پر ہوا



جب پہ تقریبِ سفر یار نے محملِ باندھا
تپشِ شوق نے ہر ذرے پہ اک دل باندھا
اہلِ بیخوش نے پہ حیرتِ کدۂ شوخیِ ناز
جوہرِ آئینہ کو طوطیِ ہمسمل باندھا
یاس و امید نے یک عریہ و میداں مانگا
عجزِ ہمت نے طلسمِ دل سائل باندھا
نہ خندھے تشہی شوق کے مضمونِ غالب!
گرچہ دل کھول کے دریا کو بھی ساحل باندھا



میں 'اور بزمِ مے سے یوں تشنہ کام آؤں!
گر میں نے کی تھی توبہ' ساقی کو کیا ہوا تھا؟
ہے ایک تیر 'جس میں دونوں چھدے پڑے ہیں
وہ دن گئے کہ اپنا دل سے جگر جدا تھا

درماندگی میں 'غالب'! کچھ بن پڑے تو جانوں
جب رشتے بے گرہ تھا 'ناخن' گرہ کشا تھا



گھر ہمارا 'جو نہ روتے بھی تو ویراں ہوتا
بحر گر بحر نہ ہوتا' قییلیں ہوتا
نیچلی دل کا گلہ کیا' یہ وہ کافر دل ہے
کہ اگر تنگ نہ ہوتا' تو پریشاں ہوتا
بعد یک عمر درن' بار تو دینا بارے
کاش رضواں ہی دربار کا درباں ہوتا!



نہ تھا کچھ 'تو خدا تھا' کچھ نہ ہوتا' تو خدا ہوتا
ڈوبیا مجھ کو ہونے نے' نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا!
ہو! جب غم سے یوں ہے جس' تو غم کیا سر کے کٹنے کا!
نہ ہوتا گر جدا تن سے' تو زانو پر دھرا ہوتا

ہوئی مدت کہ غالب مر گھیا پر یاد آتا ہے
وہ ہر یک بات پر کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا؟



یک ذرہ زمیں نہیں بیکار باغ کا
یاں جاوہ بھی، فیتلہ ہے لالے کے داغ کا
بے بے، کسے بے طاق آثوب آگلی
کھینچا ہے بجز حوصلہ نے خط لیاغ کا
بلبل کے کاروبار پہ، ہیں خندہ ہائے گل
کہتے ہیں جس کو عشق، خلل ہے دماغ کا
تازہ نہیں ہے لغزِ فخرِ خن مجھے
تریکی قدیم ہوں دودِ چراغ کا
سوہار بندِ عشق سے آزلو ہم ہوئے
پر کیا کریں کہ دل ہی عدو ہے فراغ کا

بے خون دل، ہے چشم میں موج نگہ غبار
 یہ میکدہ خراب ہے مے کے سراغ کا
 باغِ شگفتہ تیرا بساطِ نشاطِ دل
 لہرِ یہاں، خمیدہ کس کے دماغ کا!



وہ مری چمنِ جہیں سے غم پنہاں سمجھا
 رازِ مکتوب بہ بے راہلی عنوان سمجھا
 یک الف بیش ضمیمہ صیقلِ آمینہ ہنوز
 چاک کرتا ہوں، میں جب سے کہ گریباں سمجھا
 شرح اسبابِ گرفتاریِ خاطر مت پوچھ
 اس قدر تنگ ہوا دل کہ میں زنداں سمجھا
 بدگمانی نے نہ چاہا اسے سرگرمِ خرام
 زخ پہ ہر قطرہ غرق، دیدہ حیراں سمجھا

عجز سے اپنے یہ جانا کہ وہ بد خو ہو گا
 نبضِ خس سے تپش شعلہ سوزاں سمجھا
 سفرِ عشق میں کی ضعف نے راحت طلبی
 ہر قدم سایے کو میں اپنے شہتاں سمجھا
 تھا گریزاں مژدہ یار سے دل 'تادم مرگ'
 دفعِ پیکانِ قضا اس قدر آساں سمجھا
 دل دیا جان کے کیوں اس کو وفا دار آساں
 غلطی کی کہ جو کافر کو مسلمان سمجھا

پھر 'مجھے دیدہ تر یاد آیا دل 'جگر تھن فریاد آیا
 دم لیا تھا نہ قیامت بنے ہنوز پھر ترا وقت سفر یاد آیا
 سادگی ہائے تمنا یعنی پھر وہ نہ جگ نظر یاد آیا
 حذر و لماندگی کے حسرت دل نالہ کرتا تھا 'جگر یاد آیا

زندگی یوں بھی گزری جاتی کیوں ترا راہِ غم یاد آیا
 کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی گھر ترا خلد میں گر یاد آیا
 'کو' وہ جرات فریاد کہاں دل سے تنگ آ کے جگر یاد آیا
 پھر ترے کوچے کو جاتا ہے ذیل دلِ غمِ حشتِ عمر یاد آیا
 کوئی ویرانی سی ویرانی ہے! دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا
 میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں 'اسد' سبک اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا



ہوئی تاخیر 'تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا!
 آپ آتے تھے 'مگر کوئی غناں گیر بھی تھا!
 تم سے بچا ہے مجھے اپنی تباہی کا لگہ
 اس میں کچھ شاید خوبی تقدیر بھی تھا
 تو مجھے بھول گیا ہو تو چتا بتلا دوں
 کبھی فراق میں تیرے کوئی منجھیر بھی تھا؟

میں سادہ دل آرزو کی یاد سے خوش ہوں
یعنی سبقِ شوق کمر نہ ہوا تھا
دریائے معاصی تک آمل سے ہوا خشک
میرا سر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا
جاری تھی آسِ دل جگر سے مری تحصیل
آتشکدہ جاگیر سمندر نہ ہوا تھا

☆

شب کہ وہ مجلسِ فروزِ خلوتِ ناموس تھا
رفتہ ہر شمعِ خارِ کسوتِ فانوس تھا
مشہدِ عاشق سے کوسوں تک جو آتی ہے حنا
کس قدر یارب! ہلاکِ حسرتِ پاؤں تھا
حاصلِ الفت نہ دیکھا، جو شکستِ آرزو
دل بہ دل پیوستہ گویا یک لبِ افسوس تھا
کیا کہوں، یہمدیِ غم کی فراغت کا میں
جو کہ کھلایا خونِ دل، بے منتِ کیوس تھا



آئینہ دیکھ 'اپنا سا منہ لے کے رہ گئے
صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا!
قاصد کو اپنے ہاتھ سے گردن نہ مارے
اس کی خطا نہیں ہے ' یہ میرا تصور تھا



عرض نیاز عشق کے قابل نہیں رہا
جس دل پہ ناز تھا مجھے 'وہ دل نہیں رہا
جاتا ہوں داغ حسرت بستی لیے ہوئے
ہوں شمع کشتہ 'ور خور محفل نہیں رہا
مرنے کی آئے دل! اور ہی تمیر کر کہ میں
شلیان دست و بازوے قاتل نہیں رہا
بر زوے شش جت در آئینہ باز ہے
یاں امتیاز ناقص و کامل نہیں رہا

وا کر دیے ہیں شوق نے بندِ نقابِ حسن
 غیر از نگاہِ اب کوئی حائل نہیں رہا
 گو میں رہا رہیں ستم ہائے روزگار
 لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا
 دل سے ہوائے حسرتِ وفا مٹ گئی کہ واں
 حاصلِ سوائے حسرتِ حاصل نہیں رہا
 بیدارِ عشق سے نہیں ڈرتا مگر اسدا
 جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا



رشک کتنا ہے کہ اس کا غیر سے اخلاص حیف!
 عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر کس کا آشنا!
 ذرہ ذرہ ساغرِ میخانہِ نیرنگ ہے
 گردشِ مجنوں بہ چشمکِ ہائے لیلا آشنا

شوق' ہے سماں ترازِ نازش اربابِ بحر
 ذرہ صحرا دستِ گاوِ قطرہ دریا آشنا
 میں 'اور ایک آفت کا نکلزاوہ دل وحشی کہ' ہے
 عافیت کا دشمن اور گوارگی کا آشنا
 شکوہ سنج رشک ہم دیگر نہ رہنا چاہئے
 میرا زانوِ مولس اور آئینہ تیرا آشنا
 کوہکن نقاشِ یک تمثالِ شریں تھا اسدا
 سنگ سے سر مار کر 'ہووے نہ پیدا آشنا



ذکر اس پری وش کا 'اور پھر بیاں اپنا
 بن گیا رقیبِ آخر' تھا جو رازوں اپنا
 مے وہ کیوں بہت پیتے بزمِ غیر میں یارب!
 آج ہی ہوا منظور ان کو امتحان اپنا
 منظر اک بلندی پر 'اور' ہم بنا سکتے

عرش سے لوہر ہوتا مکاش کے مکاں اپنا!
 دے وہ جس قدر ذلت 'ہم ہنسی میں ڈالینگے
 بارے آشنا 'نکا' ان کا پاساں 'اپنا
 دروہل نکھوں تک 'جاؤں ان کو دکھا دوں
 انگلیاں نگار اپنی 'خامہ' خوچکاں اپنا
 گھٹتے گھٹتے مٹ جاتا آپ نے عبث بدلا
 منگِ مجبور سے میرے سنگِ آستان اپنا
 تاکرے نہ غمازی 'کر لیا ہے دشمن کو
 دوست کی شکایت میں ہم نے ہنر باں اپنا
 ہم کہاں کے دانا تھے 'کس ہنر میں یکتا تھے
 بے سبب ہوا 'غالب! دشمن آساں اپنا



سرمہ مضبِ نظر ہوں 'مری قیمت یہ ہے
 کہ رہے چشمِ خریدار پہ احساں میرا

رخصتِ نالہ مجھے دے کہ مہاوا ظالم!
تیرے چہرے سے ہو ظاہر غم پنہاں میرا



غافل' بہ وہم باز' خود آرا ہے' ورنہ یاں
بے شائد صبا نہیں طرہ گیاه کا
بزم قدح سے عیشِ تمنانہ رکھ کہ رنگ
صیدِ زدام جتہ ہے اس دامگاہ کا
رحمت اگر قبول کرے' کیا بعید ہے
شرِ مندی سے عذر نہ کرنا گناہ کا
مقتل کو کس نشاط سے جاتا ہوں میں کہ ہے
ہر گھل خیالِ زخم سے دامنِ نگاہ کا
جاں در ہوائے یک بھجہ گرم ہے اسدا!
پروانہ' ہے دکیل ترے دادِ خواہ کا



جور سے باز آئے، پر باز آئیں کیا!
 کہتے ہیں، ہم تجھ کو منہ دکھلائیں کیا!
 رات دن گردش میں ہیں، سات آہاں
 ہو رہے گا کچھ نہ کچھ، گھبرا ئیں کیا!
 لاگ ہو، تو اس کو ہم سمجھیں لگاؤ
 جب نہ ہو کچھ بھی، تو دھوکا کھائیں کیا!
 ہو لیے کیوں نام، ہر کے ساتھ ساتھ
 یارب! اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا!
 موج خوں سر سے گزری کیوں نہ جائے
 آستان یار سے اٹھ جائیں کیا!
 مہر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ
 مر گئے پر، دیکھتے دکھلائیں کیا!

پوچھتے ہیں وہ کہ 'غالب کون ہے؟
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا!



لطافت 'بے کثافت' جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
چمن 'زنگار' ہے آئینہ باد بہاری کا
حریص جو شش دریا 'نہیں خودداری' ساحل
جہاں ساقی ہو تو 'باطل' ہے دعویٰ ہوشیاری کا



عشرتِ قطرہ ہے 'دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گزرنا' ہے دوا ہو جانا
تجھ سے 'قسمت میں مری صورت قفلِ بہجد
تھا لکھا' بات کے نئے ہی 'جدا ہو جانا
دل ہوا کشِ میکش چارۂ زحمت میں تمام
مٹ گیا گھسنے میں اس غنقدے کا وا ہو جانا

اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم، اللہ اللہ
 اس قدر دشمنِ اربابِ وفا ہو جانا!
 ضعف سے گریہ مہل بہ دم سرد ہوا
 باور آیا ہمیں، پانی کا ہوا ہو جانا
 دل سے مٹا تری اچھٹِ حنائی کا خیال
 ہو گیا گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا
 ہے مجھے، ابرِ بھاری کا برس کر کھلنا
 روتے روتے غمِ فرقت میں فنا ہو جانا
 گر نہیں بھٹ گئی کوترے کوچے کی ہوس
 کیوں ہے گردِ روِ جولان صبا ہو جانا
 غصے ہے جلوۂ گلِ ذوقِ تماشا غالب
 چشم کو چاہنے ہر رنگ میں وا ہو جانا
 تاکہ تجھ پر کھلے اعجازِ ہوائے صیقل
 دیکھ برسات میں سبز آئینے کا ہو جانا

ب

پھر ہوا وقت کہ بالِ نسا موجِ شراب
 دے بڑے کو دل و دستِ فنا موجِ شراب
 پوچھ مت وجہ یہ مستی اربابِ چمن
 سایہ تاک میں ہوتی ہے ہوا موجِ شراب
 جو ہوا غرقِ مے، غیبِ رسا رکھتا ہے
 سر سے گزرے پہ بھی ہے بالِ ہما موجِ شراب
 ہے یہ برسات و موسم کہ عجب کیا ہے، اگر
 موجِ ہستی کو کرے، فیضِ ہوا موجِ شراب
 سچا موجِ اشقی ہے طوفانِ طرب سے ہر سو
 موجِ گل، موجِ شفق، موجِ صبا موجِ شراب
 جس قدر روحِ نہاتی ہے جگر تھکے باز
 دے ہے تسکین بہ دمِ آبِ بقا موجِ شراب

بسجہ دوڑے ہے رگ تاک میں خوں ہو ہو کر
 شہر رنگ سے ہے بال کشا موج شراب
 موجہ گل سے چرائیاں ہے گزر گاہ خیال
 ہے تصور میں زہس جلوہ نما موج شراب
 نشے کے پردے میں ہے جو تماشاے دماغ
 بسجہ رکھتی ہے سر نشوونما موج شراب
 ایک عالم پہ ہیں طوفانی کیفیت فصل
 موجہ سبزہ نوخیز سے تاموج شراب
 شرح ہنگامہ ہستی ہے زہے موسم گل!
 رہبر قطرہ بہ دریا ہے خوشا موج شراب!
 ہوش اڑتے ہیں مرے جلوہ گل دیکھ اسدا!
 پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موج شراب

ت

افسوس کہ دیداں کا کیا رزق فلک نے
جن لوگوں کی تھی درخورِ عقدِ گہرا انگشت
کافی ہے نشانی تری 'چھلے' کا نہ دینا
خالی مجھے دکھلا کے بوقتِ سفر انگشت
لکھتا ہوں 'اسد' سوزِ دل سے سخنِ گرم
تارکھ نہ سکے کوئی مرے حرفِ پر انگشت

☆

رباگر کوئی تا قیامت 'سلامت' پھر اک ہضم نہ ہے حضرت سلامت
جگر کو مرے 'عشقِ خوبا' مشرب لکھے ہے خداوندِ نعمت! سلامت
علی الرغمِ دشمنِ شہیدِ وفا ہوں مہدک مہدک 'سلامت سلامت
ضمیں گر سردِ برگِ لوارک معنی
تماشاے نیرنگِ صورت 'سلامت



مند گئیں، کھولتے ہی کھولتے آنکھیں، غائب!
یاد لائے مری بالیں پہ اسے، پر کس وقت



گمہ خط سے ہوا ہے سرد جو بازار دوست
دودِ شمع کشتہ تھا، شاید خطِ رخسار دوست
اے دلِ مانا قبت اندیش! ضبطِ شوق کر
کون لا سکتا ہے تابِ جلوۂ دیدار دوست
خانہ ویراں سازی حیرت تماشا کیجئے
صورتِ نقشِ قدم ہوں رفتہ رفتار دوست
عشق میں، بیدارِ رنگِ غیر نے مدا مجھے
کشتہ دشمن ہوں آخر، گرچہ تھما ہمار دوست
چشمِ مارو شن کہ اس بیدار کا دل شاد ہے
دیدۂ پر خوں ہمارا، ساغرِ سرشار دوست

ق

غیر یوں کرتا ہے میری ہدیش اس کے ہجر میں
 بے تکلف دوست ہو جیسے کوئی غنوار دوست
 تاکہ میں جانوں کہ ہے اس کی رسائی وں تلک
 مجھ کو دیتا ہے پیام وعدہ دیدار دوست
 جب کہ میں کرتا ہوں اپنا شکوہ ضعف دماغ
 سر کرے ہے وہ حدث زلفِ عنبر بار دوست
 چپکے چپکے مجھ کو روتے دیکھ پاتا ہے 'اگر
 ہنس کے کرتا ہے بیان شوخی گفتار دوست
 مہربانی ہائے دشمن کی شکایت کیجئے
 یا بیاں کیجئے سپاس لذت گزار دوست
 یہ غزل اپنی 'مجھے جی سے پسند آتی ہے آپ
 ہے روایت شعر میں 'غالب از بس تکرار دوست

ج

گلشن میں بندوبست برنگِ دگر ہے آج
قمری کا طوق، حلقہ بیرونِ در ہے آج
آتا ہے ایک پارہٴ دل ہر فغاں کے ساتھ
ہمارے نفس، کمدِ شکارِ اثر ہے آج
اے عافیت کنارہ کر، اے انتظام چل
سیلابِ گریہ درپے دیوار و در ہے آج

☆

لو، ہم مریضِ عشق کے ہمارے دل ہیں
اچھا اگر نہ ہو تو مسیحا کا کیا علاج

ج

نفس نہ انجمنِ آرزو سے باہر کھینچ
 اگر شراب نہیں، انتظارِ ساغر کھینچ
 کمال گرمی سہی تلاشِ دید نہ پوچھ
 برنگِ خار مرے آئینے سے جوہر کھینچ
 تجھے یہاں راحت ہے انتظار، اے دل
 کیا ہے کس نے اشارہ کہ نازِ بستر کھینچ
 تری طرف ہے بہ حسرتِ نظارۂ زرگس
 بہ کوریِ دل و چشمِ رقیبِ ساغر کھینچ
 بہ نیم غمزہ لوا کر حقِ ودیعت ناز
 نیامِ پردۂ زخمِ جگر سے فخر کھینچ
 مرے قدح میں ہے صباے آتشِ نیاں
 بروے سفرہ کلبِ دل سمندر کھینچ

حسن غمزے کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد
 بارے آرام سے ہیں اہل جفا میرے بعد
 منصب شیفتگی کے کوئی قابل نہ رہا
 ہوئی 'معزولی انداز و لوا میرے بعد
 شمع بجھتی ہے ٹواں میں سے دھول اٹھتا ہے
 شعلے عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد
 خوں ہے دل خاک میں احوال بتاں پر یعنی
 ان کے ناخن ہوئے محتاج جفا میرے بعد
 در خور عرض نہیں جو ہر بے دلو کو جا
 بھر باز ہے سرے سے خفا میرے بعد

ہے جنوں اہل جنوں کے لئے آغوشِ دواں
 چاک ہوتا ہے گریباں سے جدا میرے بعد
 کون ہوتا ہے حریف بے مردِ افکنِ عشق
 ہے مکرِ لبِ ساقی پہ صلا میرے بعد
 غم سے مرتا ہوں کہ اتنا نہیں دنیا میں کوئی
 کہ کرے تعزیتِ مردِ وفا میرے بعد
 آئے ہے بے کسیِ عشق پہ رونا غالب!
 کس کے گھر جائے گا سیلابِ بلا میرے بعد

بلا سے ' ہیں جو یہ پیش نظر در و دیوار
 نگاہ شوق کو ہیں بال و پر ' در و دیوار
 و نور اشک نے کاشانے کا کیا یہ رنگ
 کہ ہو گئے مرے دیوار و در ' در و دیوار
 نہیں ہے سایہ کہ سن کر نویدِ مقدم یار
 گئے ہیں چند قدم پیشتر در و دیوار
 ہوئی ہے کس قدر لرزائی بے جلوہ
 کہ مست ہے ترے کوچے میں ہر در و دیوار
 جو ہے تجھے سر سوداے انتظار ' تو آ
 کہ ہیں دکانِ متاعِ نظر در و دیوار
 ہجومِ گریہ کا سامان کب کیا میں نے
 کہ گر پڑے نہ مرے پائو پر در و دیوار

وہ گراہا مرے ہمسایے میں تو سائے سے
 ہوئے فدا درو دیوار پر ' در و دیوار
 نظر میں کھٹکے ہے بن تیرے گھر کی کہاوی
 ہمیشہ روتے ہیں ہم دیکھ کر در و دیوار
 نہ پوچھ بے خودی عیشِ مقدمِ سیلاب
 کہہ ناچتے ہیں پڑے سر بسر در و دیوار
 نہ کہ کسی سے کہ غالب ' نہیں زمانے میں
 حریفِ رازِ محبت ' مگر در و دیوار



گھر ' جب بنالیا ترے در پر ' کسے بغیر
 جانے گا اب بھی تو نہ مرا گھر ' کسے بغیر
 کہتے ہیں ' جب رہی نہ مجھے طاقتِ سخن
 جانوں کسی کے دل کی میں کیوں کر ' کسے بغیر

کام اس سے آپڑا ہے کہ 'جس کا جہان میں
 یوے نہ کوئی نام "سنگر" کے بغیر
 جی میں ہی کچھ نہیں ہے ہمارے؛ ورنہ ہم
 سر جائے یار ہے' نہ رہیں پر کے بغیر
 چھوڑو لگائیں نہ اس بُتِ کافر کا پوجنا
 چھوڑے نہ خالق گو مجھے کافر کے بغیر
 مقصد ہے ناز و غمزہ؛ ولے گفتگو میں کام
 چلتا نہیں ہے؛ دشمن و خنجر کے بغیر
 ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
 بنتی نہیں ہے؛ باد و ساغر کے بغیر
 ہیرا ہوں میں؛ تو چاہیے دونا ہو التفات
 سنتا نہیں ہوں بات مکرر کے بغیر
 غالب! نہ کر حضور میں تو بار بار عرض
 ظاہر ہے تیرا حال سب ان پر کے بغیر



کیوں جل گیا نہ تائبِ رخ یار دیکھ کر
جلا ہوں، اپنی طاقتِ دیدار دیکھ کر
آتش پرست کہتے ہیں اہلِ جہاں مجھے
سرگرمِ نالہ ہائے شررِ بار دیکھ کر
کیا کہوے عشق، جہاں عام ہو جفا
رکتا ہوں، تم کو بے سبب آزار دیکھ کر
آتا ہے میرے قتل کو، پر جوشِ رشک سے
مرتا ہوں اس کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر
ثابت ہوا ہے گردنِ مینا پہ، خونِ خلق
لرزے ہے موجِ ے تری رفتار دیکھ کر
وا حسرتا! کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ
ہم کو حریصِ لذتِ آزار دیکھ کر

بک جاتے ہیں ہم آپ متاعِ سخن کے ساتھ
 لیکن عیارِ طمع خریدار دیکھ کر
 زُناں باندھ، سجدۂ صدقات توڑ ڈال
 رہرہ چلے ہے راہ کو ہموار دیکھ کر
 ان کبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں
 جی خوش ہوا ہے راہ کو پر خار دیکھ کر
 کیا بدگماں ہے مجھ سے کہ آئینے میں مرے
 طوطی کا عکس سمجھے ہے زُناں دیکھ کر
 گرئی تھی ہم پہ برقِ تجلی، نہ طور پہ
 دیتے ہیں بادِ ظرفِ قدحِ خوار دیکھ کر
 سر پھوڑنا وہ غالبِ شوریدہ حال کا
 پاؤں آگیا مجھے، تری دیوار دیکھ کر

☆



لرزتا ہے مرا دل زحمت مہر درخشاں پر
میں ہوں وہ قطرۂ شبنم کہ ہو خارِ بیاباں پر
نہ چھوڑی حضرت یوسف نے یاں بھی خانہ آرائی
سفیدی دیدۂ یعقوب کی پھرتی ہے زنداں پر
فنا تعلیم در سب بخودی ہوں اس زمانے سے
کہ مجنوں لام الف لکھتا تھا دیوارِ دستاں پر
فراغت کس قدر رہتی مجھے تشویشِ مرہم سے
بہم گر صلح کرتے پارہ ہائے دل نمکداں پر
نہیں اقلیم الفت میں کوئی طومارِ ناز ایسا
کہ پشتِ چشم سے جس کے نہ ہووے مرنوٹوں پر
مجھے اب دیکھ کر ہر شفقِ اکوڑہ یاد کیا
کہ فرقت میں تری آتشِ برستی تھی گلستاں پر

بجز پروازِ شوقِ ناز کیا باقی رہا ہو گا!
 قیامت اک ہوائے تند ہے خاکِ شہیداں پر
 نہ لڑنا صح سے 'غالب' کیا ہو اگر اس نے شدت کی
 ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر



ہے بسکہ ہر اک ان کے اشارے میں نشاں اور
 کرتے ہیں محبت تو گزرتا ہے گماں اور
 یارب! وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات
 دے اور دل ان کو 'جو نہ دے مجھ کو زباں اور
 اردو سے ہے کیا اس حد ناز کو پیوند
 ہے تیر مقرر' مگر اس کی ہے کہاں اور
 تم شر میں ہو 'تو ہمیں کیا غم' جب انھیں گے
 لے آئیں گے بازار سے جا کر دل و جاں اور

ہر چند سبک دست ہوئے بہت شکنی میں
 ہم ہیں ' تو ابھی راہ میں ہے سنگ گرہں اور
 ہے خونِ جگر جوش میں ' دل کھول کے روتا
 ہوتے جو کئی دیدۂ خونابہ فشاں اور
 مرتا ہوں اس تلواز پہ ' ہر چند سر اڑ جائے
 جلاؤ کو لیکن وہ کسے جائیں کہ "ہاں" اور
 لوگوں کو ہے عرشدِ جہاناب کا دھوکا
 ہر روز دکھاتا ہوں میں اک دلخِ نہاں اور
 لیتا ' نہ اگر دل تمہیں دیتا ' کوئی دم چھین
 کرتا ' جو نہ مرتا کوئی دن ' آہ و فغاں اور
 پاتے نہیں جب راہ ' تو چڑھ جاتے ہیں نالے
 رکتی ہے مری طبع ' تو ہوتی ہے رولں اور
 ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
 کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور

صفائے حیرتِ آمینہ ہے سلمانِ رنگِ آخر
تغیرِ لبِ برجاماندہ کا پاتا ہے رنگِ آخر
نہ کی سلمانِ عیش و جاہ نے تدبیر و حشت کی
ہوا جامِ زمرد بھی مجھے داغِ پلنگِ آخر



جنوں کی دستگیری کس سے ہو مگر ہو نہ عریانی
گریہاں چاک کا حق ہو گیا ہے میری گردن پر
برنگِ کاندِ آتشِ زدہ نیرنگِ بے تابی
ہزارِ آمینہ دل باندھے ہے بالِ یکِ پییدن پر
فلک سے ہم کو بخشِ رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے
مستاعِ بردہ کو سمجھے ہوئے ہیں قرصِ رہزن پر
ہم 'لور وہ بے سبب رن' آشنا دشمن کہ رکھتا ہے
شعاعِ مہر سے 'تہمتِ نگہ کی' چشمِ روزن پر

فنا کو سوپ، گر مشتاق ہے اپنی حقیقت کا
 فروغ طالع خاشاک، ہے موقوف گل خن پر
 اسد بسمل ہے کس انداز کا، قاتل سے کتا ہے
 کہ ”مشرق ناز کر“ خون دو عالم میری گردن پر“



ستم کش مصلحت سے ہوں کہ خوبیاں تجھ پہ عاشق ہیں
 شکاف ہر طرف، مل جائے گا تجھ سا رقیب آخر



لازم تھا کہ دیکھو مرارستا کوئی دن اور
 تنہا گئے کیوں، اب رہو تنہا کوئی دن اور
 مٹ جائے گا سر، مگر ترا پتھر نہ گھسے گا
 ہوں در پہ ترے ناصیہ فرسا کوئی دن اور
 آئے ہو کل اور گج ہی کہتے ہو کہ جاؤں
 مانا کہ ہمیشہ نہیں، اچھا، کوئی دن اور

جاتے ہوئے کہتے ہو 'قیامت کو ملیں گے
 کیا خوب 'قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور
 ہاں 'اے فلکِ پیر! جواں تھا ابھی مارف
 کیا تیرا بھڑتا' جو نہ مرتا کوئی دن اور
 تم بادِ شبِ چار دہم تھے مرے گھر کے
 پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشہ کوئی دن اور
 تم کون سے تھے ایسے کھرے داؤدِ ستد کے!
 کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور
 مجھ سے تمہیں نفرت سہی 'تیر سے لڑائی
 بچوں کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور
 گزری نہ بہر حال یہ مدت خوش و ناخوش
 کرنا تھا جواں مرگ! گزرا کوئی دن اور
 ناداں ہو' جو کہتے ہو کہ "کیوں جیتے ہیں" غالب!
 قسمت میں ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور

ز

فارغ مجھے نہ جان کہ مہرِ صبح و مہر
ہے داغِ عشق زینتِ جیبِ کفنِ ہنوز
ہے نازِ فطرساں زہرِ از دستِ رفتہ پر
ہوں گلِ فروشِ شوخیِ داغِ کفنِ ہنوز
مخافہ جگر میں یہاں خاک بھی نہیں
خُمیازہ کھینچے ہے مت بیدارِ فنِ ہنوز

ۛۛۛ

حریصِ مطلبِ مشکلِ نہیں فسوںِ نیاز
دما قبول ہو یارب! کہ عمرِ خضرِ دراز
نہ ہو بہ ہرزہ بیاباںِ نوردِ وہم و جود
ہنوز تیرے تصور میں ہے نشیب و فراز

وصال جلوہ تماشا ہے، پر دماغ کہاں
 کہ دیجے کہیں انتظار کو پرواز
 ہر ایک ذرۂ عاشق ہے آفتاب پرست
 گئی نہ خاک ہوئے پر ہوائے جلوۂ ناز
 نہ پوچھ وسعتِ میخانۂ جنوں، غالب!
 جہاں یہ کائناتِ گردوں ہے ایک خاک انداز



وسعتِ سعیِ کرم دیکھ کہ سر تا سر خاک
 گزرے ہے کبلہ پا لبرِ گھر بار ہنوز
 یک قلم کاغذِ آتش زدہ ہے صحنۂ دشت
 نقشِ پا میں ہے شبِ گرمی رفتارِ ہنوز



کیوں کر اس بات سے رکھوں جان عزیز
 کیا نہیں ہے مجھے ایمانِ عزیز!

دل سے نکلا' پہ نہ نکلا دل سے
 ہے ترے تیر کا پیکان عزیز
 تاب لائے ہی بنے گی غالب!
 واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

۶۶

نہ گلِ نغمہ ہوں نہ پردہ ساز
 میں ہوں اپنی شکست کی گواہ
 تو' اور کراؤں خم کا کل
 میں' اور اندیشہ ہاے دور دراز
 لافِ تمکینیں فریبِ سادہ دلی
 ہم ہیں' اور رازِ ہاے سینہ گداز
 ہوں گرفتارِ الفبِ صیاد
 ورنہ باقی ہے طاقتِ پرواز

وہ بھی دن ہو کہ اس سنگر سے
 باز کھینچوں 'جائے حسرتِ باز
 نہیں دل میں مرے وہ قطرۂ خوں
 جس سے مرگیاں ہوئی نہ ہو گلزار
 اے ترا غمزہ 'یک قلم انگیز
 اے ترا نظم 'سرِ سر انداز
 تو ہوا جلوہ گر 'مبارک ہو
 ریشِ سجدہ جبین نیاز
 مجھ کو پوچھا 'تو کچھ غضب نہ ہوا
 میں غریب اور تو غریب نواز
 اسد اللہ خاں تمام ہوا
 اے دریغاً وہ رعدِ شاہد باز!

س

مژدہ! اے فوقِ اسیری! کہ نظر آتا ہے
 دامِ خالی، قفسِ مرغِ گرفتار کے پاس
 جگرِ تشنہ آزار، تسلی نہ ہوا
 جوے خوں ہم نے یہائی، ہر خار کے پاس
 مند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں، ہے ہے!
 خوب وقت آئے تم اس عاشقِ بے سار کے پاس
 میں بھی رک رک کے نہ مارتا جو نہاں کے بدلے
 دشمن اک تیز سا ہوتا مرے غمخوار کے پاس
 دہن شیر میں جا بیٹھی، لیکن اے دل!
 نہ کھڑے ہو جیے خوبانِ دل آزار کے پاس
 دیکھ کر تجھ کو، چمن بس نہ نمو کرتا ہے
 خود خود پنپے ہے گلِ گوشہ دستار کے پاس
 مر گیا پھوڑ کے سرِ غالب و حشی، ہے ہے!
 بیٹھنا اس کا وہ، آکر، تری دیوار کے پاس

ش

نہ لیوے، مگر خُس جو ہر طرہ و تہ سے
 لگائے خاندانِ آئینہ میں روئے نگار آتش
 فروغِ حسن سے ہوتی ہے حلِ مشکل عاشق
 نہ نکلے شمع کے پاسے، نکالے گر نہ خار آتش

ع

جلاؤ رہِ مخور کو وقتِ شام ہے تارِ شعاع
 چرخِ وا کرتا ہے ماہِ نو سے آغوشِ وداع



رخ نگار سے ہے سوز جاوولی شمع
ہوئی ہے آتشِ گلِ آبِ زندگانی شمع
زبانِ اہلِ زباں میں 'ہے مرگ' خاموشی
یہ بات بزم میں روشن ہوئی زبانی شمع
کرے ہے صرف بہ ایمانے شعلہ قصہ تمام
چہ طرزِ اہلِ فنا ہے فسانہ خوانی شمع
غم اس کو حسرت پر واند کا ہے اے شعلے!
ترے لرزے سے ظاہر ہے ناتواپی شمع
ترے خیال سے روحِ اہتر از کرتی ہے
چہ جلوہ تیزی باد و چہ پر فشانِ شمع
نشاطِ داغِ غمِ عشق کی بیمار نہ لپا چہ
تغافلِ شمع ہے شہیدِ گلِ خزلی شمع
جلے ہے 'دیکھ کے بالینِ یار پر مجھ کو
نہ کیوں ہو دل پہ مرے داغِ بدگمانی شمع

ف

ہم رقیب سے نہیں کرتے وداع ہوش
مجبوریاں تلک ہوئے اے اختیارِ حیف!
جلتا ہے دل کہ کیوں نہ ہم اک بار جل گئے
اے نا تمہا نفسِ شعلہ بار حیف!



ک

زخم پر چھڑکیں کہاں طفلانِ بے پروا نمک
کیا مزا ہوتا اگر پتھر میں بھی ہوتا نمک
گردِ راہِ یار ہے سامانِ نازِ زخمِ دل
ورنہ ہوتا ہے جہاں میں کس قدر پیدا نمک

مجھ کو ارزانی رہے، تجھ کو مہارک ہو جیو
 بلبل کا درد اور خندہ، گل کا نمک
 شورِ جولاں تھا کنارِ بحر پر بکس کا کہ گج
 گردِ ساحل ہے بہ زخمِ موجِ دریا نمک
 دلو دیتا ہے مرے زخمِ جگر کی، ولہ واہ!
 یاد کرتا ہے مجھے، دیکھے ہے وہ جس جانمک
 چھوڑ کر جانا تنِ مجروح عاشق حیف ہے
 دل طلب کرتا ہے زخم اور مانگے ہیں اعضا نمک
 غیر کی منت نہ کھینچوں گا پے توفیر درد
 زخمِ مثلِ خندہ، قاتل ہے سرتا پا نمک
 یاد ہیں غالب! تجھے وہ دن کہ وجدِ ذوق میں
 زخم سے گرتا، تو میں پلوں سے چلتا تھا نمک

☆

آو کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک
 کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک
 دام ہر موج میں ہے حلقہ صد کام تنگ
 دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ نگہ ہونے تک
 عاشقی صبر طلب اور تمنا بیتاب
 دل کا کیا رنگ کروں خون جگر ہونے تک
 ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
 خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک
 پر تو کھور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم
 میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک
 یک نظر پیش نہیں فرصت ہستی غافل!
 گرمی بزم ہے اک رقص شر ہونے تک
 غم ہستی کا اسد! کس سے ہو جڑ مرگ علاج
 شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

گ

گر تجھ کو ہے یقین اجابت 'دُعائے مانگ
یعنی بغیر یکِ دل بے مددِ عائد مانگ
آتا ہے داغِ حسرتِ دل کا شمار یاد
مجھ سے مرے لمحہ کا حساب اے خدان مانگ

ل

ہے کس قدر ہلاکِ فریبِ وفائے گل
بائبل کے کاروبار پہ 'ہیں خندہ ہائے گل
آزادیِ نسیمِ مبارک کہ ہر طرف
ٹوٹے پڑے ہیں حلقہٴ دامِ ہوائے گل
جو تھا 'سو موجِ رنگ کے دھوکے میں مر گیا
اے وائے 'نائے لبِ خونیں نوائے گل!

خوش حال اس حریف یہ مست کا کہ جو
 رکھتا ہو مثل سایہ گل 'سربہ پائے گل
 ایجاد کرتی ہے اسے تیرے لیے بہار
 میرا رقیب ہے نفسِ عطر سائے گل
 شرمندہ رکھتے ہیں مجھے باو بہار سے
 میناے بے شراب و دل بے ہوائے گل
 سلطوت سے تیرے جلوہ حسنِ غیور کی
 خوں ہے مری نگاہ میں رنگِ ادائے گل
 تیرے ہی جلوے کا ہے یہ دھوکا کہ آج تک
 بے اختیار دوڑے ہے گل در فقائے گل
 غالب! مجھے ہے اس سے ہم آغوشی کر زو
 جس کا خیال ' ہے گل جیبِ قبائے گل

م

غم نہیں ہوتا ہے آزلووں کو پیش ازیک نفس
 برق سے کرتے ہیں روشن شمع ماتم خانہ ہم
 محفلیں برہم کرے ہے گنجفہ باز خیال
 ہیں ورق گردانی نیرنگ یک بختانہ ہم
 بلو جوہر یک جہاں ہنگامہ پیدائی نہیں
 ہیں چراغان شہستان دل پروانہ ہم
 ضعف سے ہے 'نے قناعت سے' یہ ترک جستجو
 ہیں وبال بکلیہ گاوہمت مردانہ ہم
 دائم الجھس اس میں ہیں لاکھوں تمنائیں اسد!
 جانتے ہیں سینہ پرخوں کو زنداں خانہ ہم



ہے نالہ حاصلِ دل بسگی فراہم کر
مناہِ خانہ زنجیرِ بجز صدا معلوم



مجھ کو دیارِ غیر میں مارا وطن سے دور
رکھ لی مرے خدائے مری پیکسی کی شرم
وہ حلقہ ہائے زلف کہیں میں ہیں اے خدا
رکھ لہو میرے دعویٰ وارستگی کی شرم

ن

لوں دامِ دُختِ خفتہ سے یک خوابِ خوش اُلے
غالب! یہ خوف ہے کہ کہاں سے اوا کروں



وہ فراق اور وہ وصال کہاں وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں
 فرصتِ کار و بار شوق کسے ذوقِ نگاہِ جمال کہاں
 دل تو دل وہ دماغ بھی نہ رہا شورِ سوداے خط و خال کہاں
 تھی وہ اک شخص کے تصور سے اب وہ رعنائی خیال کہاں
 ایسا آساں نہیں، لہو رونا دل میں طاقتِ جگر میں حال کہاں
 ہم سے چھوٹا قمار خانہ عشق وہ جو جائیں مگرہ میں مال کہاں
 خبرِ دنیا میں سر کھپاتا ہوں میں کہاں، اور یہ وہاں کہاں
 مضحل ہو گئے، توئی، غالب!

وہ عناصر میں اعتدال کہاں



کی وفا ہم سے، تو غیر اس کو جفا کہتے ہیں
 ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں
 کج ہم اپنی پریشانی خاطر ان سے
 کہنے جاتے تو ہیں، پر دیکھیے کیا کہتے ہیں

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ، انہیں کچھ نہ کہو
 جو مے و نغمہ کو اندوہ رہا کہتے ہیں
 دل میں آجائے ہے، ہوتی ہے جو فرصت غش سے
 اور پھر کون سے نالے کو رسا کہتے ہیں؟
 ہے پرے سرحد اور اک سے، اپنا مسکود
 قبلے کو، اہل نظر، قبلہ نما کہتے ہیں
 پائے افکار پہ جب سے تجھے رحم لیا ہے
 خارِ رہ کو ترے ہم مہر گیا کہتے ہیں
 اک شرر دل میں ہے اس سے کوئی گھبرائے گا کیا
 آگ مطلوب ہے ہم کو، جو ہوا کہتے ہیں
 دیکھیے، لاتی ہے اس شوخ کی نخوت کیا رنگ
 اس کی ہر بات پہ ہم نامِ خدا کہتے ہیں
 وحشت و شیفہ اب مرثیہ کہویں شاید
 مر گیا غالب آشفہ نوا کہتے ہیں





آہر و کیا خاک اس گل کی کہ گلش میں نہیں
ہے گریہاں تنگ پیراہن، جو دامن میں نہیں
ضعف سے لے کر یہ! کچھ باقی مرے تن میں نہیں
رنگ ہو کر اڑ گیا، جو خوں کہ دامن میں نہیں
ہو گئے ہیں جمع اجزائے نگاہِ آفتاب
ڈرے اس کے گھر کی دیواروں کے روزن میں نہیں
رواقِ ہستی، ہے عشقِ خانہ ویراں ساز سے
انجمن بے شمع ہے، گر برقِ طرمن میں نہیں
زخم سلوانے سے، مجھ پر چارہ جوئی کا ہے طعن
غیر سمجھا ہے کہ لذت زخم سوزن میں نہیں
برسے ہیں ہم اک بیمارِ ناز کے مارے ہوئے
جلوہ گل کے سوا، گرد اپنے مدفن میں نہیں
قطرہ قطرہ، اک ہیولی ہے، نئے ناسور کا
خوں بھی، ذوقِ درد سے، فارغ مرے تن میں نہیں

اے گنی ساقی کی نغوت، قلزمِ آشامی مری
 موج سے کی کج رگ، مینا کی گردن میں نہیں
 ہو فشارِ ضعف میں کیا ناتوانی کی نمود!
 قد کے جھکنے کی بھی گنجائش مرے تن میں نہیں
 تھی وطن میں شان کیا غالب کہ ہو غربت میں قدر
 بے تکلف ہوں وہ مشتبہ خس کہ گلشن میں نہیں

ۛۛۛ

عہدے سے مدح ناز کے باہر نہ آسکا
 گر ایک لوا ہو، تو اسے اپنی قضا کہوں
 حلقے ہیں، چشم ہائے کشادہ، سوے دل
 ہر تارِ زلف کو، بھم سرمہ سا کہوں
 میں، اور صد ہزار نوائے جگر خراش
 تو، اور ایک وہ نشیدن کہ کیا کہوں
 ظالم! مرے گم سے مجھے منفعل نہ چاہ
 ہے ہے، خدا نکر وہ، تجھے بے وفا کہوں!



مہرباں ہو کے بلا لو مجھے، چاہو جس وقت
میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں
ضعف میں طعنہ اغیار کا شکوہ کیا ہے
بات کچھ سر تو نہیں ہے کہ انھا بھی نہ سکوں
زہر ملتا ہی نہیں مجھ کو ستم گر، ورنہ
کیا قسم ہے ترے ملنے کی کہ کھا بھی نہ سکوں



ہم سے کھل جاؤ، وقت مے پرستی ایک دن
ورنہ ہم چھیڑینگے، رکھ کر عذر مستی ایک دن
غیر، لوج بنائے عالم امکان نہ ہو
اس بلندی کے نصیبوں میں ہے پستی ایک دن
قرص کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں،
رنگ لاوگی ہماری فاقہ مستی ایک دن

نغمہ ہائے غم کو بھی 'اے دل! غنیمت جائے
 بے صدا ہو جائیگا یہ ساز ہستی ایک دن
 دھول دھپا اس سرِ پا ناز کا شیوہ نہیں
 ہم ہی کر بیٹھے تھے 'غالب پیش دستی ایک دن



ہم پر 'جفا سے' ترک وفا کا گماں نہیں
 اک چھیڑ ہے 'وگرنہ مراد امتحاں نہیں
 کس منہ سے شکر کیجئے 'اس لطف خاص کا
 پر سش ہے 'اور پائے سخن درمیاں نہیں
 ہم کو ستم عزیز شکر کو ہم عزیز
 نامریاں نہیں ہے 'اگر مریاں نہیں
 بوسہ نہیں 'نہ دیجئے' دشنام ہی سہی
 ہر زبں تو رکھتے ہو تم 'گروہاں نہیں

ق

ہر چند جاں گدازی قمر و عتاب ہے
 ہر چند کشت گرمی تاب و توان نہیں
 جاں 'مطرب' تراہِ حَلّٰی 'من مزید' ہے
 لب 'پردہ' بخ زمرئہ الاماں نہیں
 خنجر سے چیر سینہ 'اگر دل نہ ہو دو نیم
 دل میں چھری چھو 'مردہ' گر خونچک نہیں
 ہے تنگ سینہ دل اگر آتشکدہ نہ ہو
 ہے عار دل 'نفس' اگر گزر فشاں نہیں
 نقصاں نہیں 'جنوں' میں بلا سے ہو گھر خراب
 سو گز زمیں کے بدلے میاں گراں نہیں
 کہتے ہو 'کیا لکھا ہے تری سر نوشت میں!
 گویا جہیں پہ سجدہ ہمت کا نشاں نہیں
 پاتا ہوں اس سے دلو کچھ اپنے کلام کی
 روح القدس اگرچہ مرا ہم زباں نہیں
 جاں ہے یہاں سے 'وہ' کیوں کہے ابھی
 غالب کو جانتا ہے کہ وہ نیم جاں نہیں



مانع دشت نور دی ' کوئی تدبیر نہیں
ایک چکر ہے ' مرے پاؤں میں زنجیر نہیں
شوق اس دشت میں دوڑائے ہے مجھ کو کہ جہاں
جادو ' غیر از بھی دیدہ تصویر نہیں
حسرت لذت آزار رہی جاتی ہے
جادو راہِ وفا بخودم شمشیر نہیں
رنجِ نومیدی جاوید! گوارا رہیو!
خوش ہوں گر نالہ زبونی کش تاثیر نہیں
سر کھجاتا ہے ' جہاں زخم سر اچھا ہو جائے
لذتِ سنگ بہ اندازہ تقریر نہیں
جب کرمِ رحمتِ بیباکی و گستاخی دے
کوئی تقصیر بجز خجلتِ تقصیر نہیں
غالب! اپنا یہ عقیدہ ہے ' بقولِ نازخ
آپ بے برہ ہے ' جو معتقد میر نہیں



مت مر دمک دیدہ میں سمجھو یہ نکاہیں
ہیں جمع سویدائے دل چشم میں آہیں



برشکال گریہ عاشق ہے دیکھا چاہے
کھل گئی مانند گل سو جاے دیوار چمن
الفطرت گل سے غلط ہے دعوی وارنگی
سرو ہے باوصف گزادوی گرفتار چمن



عشق تاثیر سے نومید نہیں جاں سپاری شجر ہید نہیں
سلطنت دست بدست کئی ہے جامِ مے خاتم جمشید نہیں
ہے تجلی تری سامان وجود ذرہ بے پر تو خرشید نہیں
رازِ معشوق نہ رسوا ہو جاے درندہ مر جانے میں کچھ بھید نہیں
گردشِ رنگِ طرب سے ڈر ہے غم محرومی جلود نہیں
کہتے ہیں جیتے ہیں امید پہ لوگ
ہم کو جینے کی بھی امید نہیں



جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں
خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں
دل آشفٹاں، خال کج دہن کے
سویدا میں سیر عدم دیکھتے ہیں
ترے سرو قامت سے اک قد آدم
قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں
تماشا کہ 'اے مجو آمینہ داری!
تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں
سراغِ تھ مالہ' اے داغِ دل سے
کہ شب روکا نقش قدم دیکھتے ہیں
بنا کر فقیروں کا ہم بھیس، غائب!
تماشاے اہل کرم دیکھتے ہیں



ملتی ہے خوسے یار سے ہمارے التباب میں
کافر ہوں مگر نہ ملتی ہو راحت عذاب میں
کب سے ہوں گیلاتاؤں جہانِ خراب میں
شب ہائے ہجر کو بھی رکھوں گے حساب میں
تا پھر نہ انتظار میں نیند آئے عمر بھر
آنے کا عہد کر گئے آئے جو خواب میں
قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں
میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں
مجھ تک کب 'الن کی بزم میں آتا تھا دورِ جام
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں
جو معجزِ وفا ہو 'فریب اس پہ کیا چلے
کیوں بدگمان ہوں دوست سے دشمن کے باب میں



میں مضطرب ہوں وصل میں 'خوفِ رقیب سے
ڈالا ہے تم کو وہم نے' کس بیچ و تاب میں
میں 'لورِ حظِ وصل' خدا ساز بات ہے
جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں
ہے تیوری چڑھی ہوئی اندر نقاب کے
ہے اک شکن پڑی ہوئی طرفِ نقاب میں
لاکھوں لگاؤ ایک چرانا نگاہ کا
لاکھوں بناؤ ایک بھونا عتاب میں
وہ نالہ دل میں خس کے برابر جگہ نہ پائے
جس نالے سے شگاف پڑے آفتاب میں
وہ سحر مدعا طلبی میں نہ کام آئے!
جس سحر سے سفینہ رواں ہو سراب میں
غالب! چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی
پیتا ہوں روزِ لہر و شبِ ماہتاب میں



کل کے لئے کراچ نہ غصت شراب میں
یہ سوء ظن ہے ساقی کوثر کے باب میں
ہیں کج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں
جاں کیوں نکلنے لگتی ہے تن سے دم سماع
گر وہ صدا سہائی ہے چنگ و رباب میں
رو میں ہے رخسار عمر کہاں دیکھیے تھے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں
اتنا ہی مجھکو اپنی حقیقت سے بعد ہے
جتنا کہ وہم غیر سے ہوں پیچ و تاب میں
اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے
حیراں ہوں پھر مشاہد ہے کس حساب میں!
ہے مشتمل نمودِ صور پر وجود بحر
یاں کیا دھرا ہے قطرہ و موج و حباب میں

بے عشق مہر کٹ نہیں سکتی ہے اوریاں
 طاقت بھر لذتِ آزار بھی نہیں
 شوریدگی کے ہاتھ سے ہے سرِ نوبال دوش
 صحرائیں 'اے خدا! کوئی دیوار بھی نہیں
 گنجائشِ مدداتِ اغیار' یک طرف
 پاں دل میں ضعف سے، نوں پار بھی نہیں
 ڈر نالہ ہائے زار سے میرے 'خدا کو مان
 آخر نواے مرغِ گرفتار بھی نہیں
 دل میں ہے پیار کی صفِ مژگنوں سے روشنی
 حال آنکہ طاقتِ خلش خار بھی نہیں
 اس سادگی پہ کون نہ مر جائے 'اے خدا!
 لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں
 دیکھا اسد کو خلوت و جہوت میں بارہا
 دیوانہ گر نہیں ہے 'تو آشیر بھی نہیں

ہم موحّد ہیں، ہمارا کیش ہے ترک رسوم
 مائیں جب مٹ گئیں، اجزائے ایماں ہو گئیں
 رنج سے خوگر ہوا انسان، تو مٹ جاتا ہے رنج
 مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں
 یوں ہی گر روتا رہا مائب، تو اب اہل جہاں!
 دیکھنا ان ہستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

دیوانگی سے، دوش پہ زہر بھی نہیں
 یعنی ہمارے جیب میں اک تار بھی نہیں
 دل کو نیازِ حسرت دیدار کر چکے
 دیکھا تو ہم میں طاقِ دیدار بھی نہیں
 مانا ترا اگر نہیں آساں، تو سسل ہے
 دشوار تو یہی ہے کہ، دشوار بھی نہیں



ذکر میرا بہ بدی بھی اسے منظور نہیں
غیر کی بات بھڑ جائے تو کچھ دور نہیں
وعدہ سیر گلستاں ہے، خوشا طالع شوق!
مژدہ قتلِ مقدر ہے جو مذکور نہیں
شاہد ہستی مطلق کی کمر ہے عالم
لوگ کہتے ہیں کہ ہے، پر ہمیں منظور نہیں
قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن
ہم کو تقلیدِ تنکِ ظرفی منصور نہیں
حسرت اے ذوقِ خرابی! کہ وہ طاقت نہ رہی
حق پر عریضہ کی گول تنِ رنجور نہیں
میں جو کتا ہوں کہ ہم لیں گے قیامت میں تمہیں
کس رعونت سے وہ کہتے ہیں کہ ”ہم حور نہیں“

ظلم کر ظلم، اگر لطف دریغ آتا ہو
 تو تقاضا میں کسی رنگ سے معذور نہیں
 صاف وردی کش پیانہ جم ہیں ہم لوگ
 وائے! وہ بادہ کہ افشردہ انگور نہیں
 ہوں ظسوری کے مقابل میں خفائی غالب
 میرے دعوے پہ یہ حجت ہے کہ ”مشہور نہیں“



نالہ جز حسن طلب، اے ستم ایجاد نہیں
 ہے تقاضائے جفا، شکوہ، بیداد نہیں
 عشق و مزدوری عشرت مجہ خسرو کیا خوب!
 ہم کو تسلیم نکو نامی فرہاد نہیں
 کم نہیں وہ بھی خرابی میں، پہ وسعت معلوم
 دشت میں ہے مجھے وہ عیش کہ گھریاد نہیں

کیوں گردِ شام سے گھبرانہ جائے دل
 انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں
 یارب! زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لئے؟
 لوحِ جہاں پہ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں
 حد چاہنے سزا میں 'عقوبت' کے واسطے
 آخر گناہگار ہوں 'کافر' نہیں ہوں میں
 کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے؟
 لعل و زمر و زرد و گوہر نہیں ہوں میں
 رکھتے ہو تم قدمِ مری آنکھوں سے کیوں دریغ!
 رتبے میں مہر و ماہ سے کتر نہیں ہوں میں
 کرتے ہو مجھ کو منع قدمِ بوس کس لئے!
 کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں
 غالب 'و خلیفہ' خوار ہو 'دوشاہ' کو دعا
 وہ دن گئے جو کہتے تھے تو کر نہیں ہوں میں

تیرے توں کو صبا باندھتے ہیں ہم بھی مضمون کی ہو باندھتے ہیں
 آد کا کس نے اثر دیکھا ہے! ہم بھی ایک اپنی ہو باندھتے ہیں
 تیری فرصت کے مقابل اے عمر! برق کو پاب حنا باندھتے ہیں
 قید ہستی سے رہائی معلوم اشک کو بے سرو پاباندھتے ہیں
 نغمہ رنگ سے ہے واعجب گل مست کب بند قبا باندھتے ہیں
 غلطی ہاں مضا میں مت پوچھ لوگ نالے کو رسا باندھتے ہیں
 اہل تدبیر کی ولاند گیاں! آبلوں پر بھی حنا باندھتے ہیں
 سادہ پرکار ہیں خوباں 'غائب'
 ہم سے بچان وفا باندھتے ہیں

زندہ سخت کم از کم ہے جانِ مسد و گرنہ ہم تو توقع زیادہ رکھتے ہیں

دائم پڑا ہوا ترے در پر ضمیم ہوں میں
 خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر ضمیم ہوں میں



دل لگا کر، لگ گیا ان کو بھی تنہا بیٹھنا
بارے، اپنی پیچسی کی ہم نے پائی دلو یاں
ہیں زوال گمادہ اجزا آفرینش کے تمام
مہر گردوں ہے، چراغ رہنما رہا یاں



یہ ہم، جو ہجر میں، دیوار و در کو دیکھتے ہیں
کبھی صبا کو، کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں
وہ آئے گھر میں ہمارے، خدا کی قدرت ہے!
کبھی ہم ان کو، کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں
نظر لگے نہ کیس، اس کے دست و بازو کو
یہ لوگ کیوں مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں
ترے جو اہر طرف کلمہ کو کیا دیکھیں!
ہم اوج طالعِ لعل و گھر کو دیکھتے ہیں



نہیں کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں
شبِ فراق سے روزِ جزا زیاد نہیں
کوئی کہے کہ شبِ مہ میں کیا برائی ہے
بلا سے کج اگر دن کو لہرو باد نہیں
جو آؤں سامنے ان کے، تو مر جا کہیں
جو جاؤں وال سے کہیں کو، تو خیر باد نہیں
کبھی جو یاد بھی آتا ہوں میں، تو کہتے ہیں
کہ ”جہنم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں!“
علاوہ عید کے ملتی ہے اور دن بھی شراب
گدائے کوچہ میخانہ نامرلو نہیں
جہاں میں ہو غم و شادی بہم، ہمیں کیا کام
دیا ہے ہم کو خدا نے وہ دل کہ شاد نہیں
تمہاں کے وعدے کا ذکر ان سے کیوں کرو غالب
یہ کیا کہ تم کو لور وہ کہیں کہ ”یاد نہیں“



دونوں جہان دے کے وہ سمجھے یہ خوش رہا
 یں آپڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں
 تھک تھک کے ہر مقام پہ دوچار رہ گئے
 تیرا پتا نہ پائیں تو ناچار کیا کریں!
 کیا شمع کے نہیں ہیں ہوا خواہ اہل بوم!
 ہو غم ہی جاں گداز تو غمخوار کیا کریں!



ہو گئی ہے غیر کی شریں بیانی کارگر
 عشق کا اس کو گماں ہم بے زبانوں پر نہیں



قیامت ہے کہ سن لیلیٰ کا دشتِ قیس میں آنا
 تعجب سے وہی لا "یوں بھی ہوتا ہے زمانے میں!"
 دلِ نازک پہ اس کے رحم آتا ہے مجھے غالب!
 نہ کر سرگرم اس کافر کو الفت آزمائے میں

اہل بیفش کو ہے طوفانِ حواثِ مکتب
 لطمہ موج کم از سلی استلو نہیں
 وائے! محرومی تسلیم ودا حالِ وفا
 جانتا ہے کہ ہمیں طاقب فریاد نہیں
 رنگِ تمغینِ گلِ ولالہ پریشاں کیوں ہے
 گر چراغانِ سرِ ربحورِ باد نہیں
 سہِ گل کے تلے بند کرے ہے کھجیل
 مژدہ اے مرغ! کہ گلزار میں صیاد نہیں
 نفی سے کرتی ہے اثباتِ ترلوش گویا
 وے ہی جائے دہن اس کو دمِ ایجاو "نہیں"
 کم نہیں جلوہ گری میں تے کوچے سے بہشت
 یہی نقشہ ہے وے اس قدر کباد نہیں
 کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالب
 تم کو بے مہری یارانِ وطن یاد نہیں!



سب کہاں 'کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں 'کیا صورتیں ہو گئی کہ پنہاں ہو گئیں
یاد تھیں ہم کو بھی ' رنگارنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگار طاق نسیاں ہو گئیں
تھیں نبات النعش گردوں دن کو پردے میں نماں
شب کو ان کے جی میں کیا آئی کہ عریاں ہو گئیں
قید میں ' یعقوب نے ' لی گو نہ یوسف کی خبر
لیکن آنکھیں روزن دیوار زنداں ہو گئیں
سب رقیبوں سے ہوں ناخوش ' پر زناں مصر سے
ہے زلیخا خوش کہ مجو ماہ کنعاں ہو گئیں
جوے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شام فراق
میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں

ان پر یزادوں سے لیس گئے خلد میں ہم انتقام
 قدرتِ حق سے یہی 'خواریں' اُگرواں ہو گئیں
 نیند اس کی ہے دماغ اس کا ہے راتیں اس کی ہیں
 تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں
 میں چمن میں کیا گیا، گویا ہستل کھل گیا
 بلبلیں سن کر مرے نالے، غزل خواں ہو گئیں
 وہ لگا ہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں یارب دل کے پار
 جو مری کوتاہی قسمت سے مڑگاں ہو گئیں
 بس کہ روکا میں نے نور سینے میں ابھریں پے پے
 میری آہیں، حقیقہ چاک گرہاں ہو گئیں
 واں گیا بھی میں، تو ان کی گالیوں کا کیا جواب
 یاد تھیں جتنی دعائیں، صرف درہاں ہو گئیں
 جاں فزا ہے بازو، جس کے ہاتھ میں جام آگیا
 سب لکیریں ہاتھ کی گویا رگب جاں ہو گئیں

ہے کیا جو غم کے باندھے، میری بلا ڈرے
 کیا جانتا نہیں ہوں تمہاری کمر کو میں
 لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ و نام ہے
 یہ جانتا اگر، تو لٹاتا نہ گھر کو میں
 چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ
 پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں
 خواہش کو احمقوں نے پرستش دیا قرار
 کیا پوجتا ہوں اس بت بیدار کو میں؟
 پھر بٹو دی میں بھول گیا راہ کوے یاد
 جاتا وگرنہ ایک دن اپنی خبر کو میں
 اپنے پہ کر رہا ہوں قیاس اہل دہر کا
 سمجھا ہوں دلپذیر متاع ہنر کو میں
 غالب! خدا کرے کہ سوارِ سمندرِ ناز
 دیکھوں علی بہادر عالی غنم کو میں

شرم ایک لوائے ہر ہے اپنے ہی سے سہی
 ہیں کتنے بے حجاب کہ ہیں یوں حجاب میں
 کریش جمال سے فارغ نہیں بنوز
 پیش نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں
 ہے غیب غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود
 ہیں خواب میں بنوز ہو جاگے ہیں خواب میں
 غالب! ندیم دوست سے آتی ہے بڑے دوست
 مشغول حق ہوں بندگی بدتراب میں

بہار

حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیوں جگر کو میں
 مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں
 چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں
 ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں؟
 جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار
 اے کاش! جانا نہ ترے رہ گزر کو میں



نہیں ہے زخم کوئی، نگھے کے درِ خور مرے تن میں
ہوا ہے تارِ اشکِ یاس، رشتہ چشمِ سوزن میں
ہوئی ہے مانعِ ذوقِ تماشا، خانہ ویرانی
کھنکھ سیلابِ باقی ہے برنگِ پنبہِ رنجن میں
وداعِ خانہ بیدادِ کاوشِ ہائے مڑگاں ہوں
نگینِ نامِ شاہد، ہے مرے ہر قطرہ خوں تن میں
ہیاں کس سے ہو ظلمتِ گستری میرے شبستاں کی
شبِ مہ ہو چور کھ دیں پنبہ دیواروں کے روزن میں
نکوہش، مانعِ بے ریلٹی شورِ جنوں آئی
ہوا ہے خندۂ احباب، عیہ جیبِ دامن میں
ہوئے اس مردش کے جلوۂ تمثال کے آگے
پر افشاں جوہر آئینے میں، مثلِ ذرہ روزن میں

نہ جانوں نیک: ہوں یابد: ہوں پُر صحبت مخالف ہے
 جو گل: دل تو دل گل: خن میں: خوش: دل تو دل: گلشن میں
 ہزاروں دل دیے: جوش: جنون: عشق نے مجھ کو
 سیہ: ہو کر: سویدا: ہو گیا: ہر قطرہ: خوں: تن میں
 اسد! زندگی: تاثیر: الفت: ہائے: خوباں: ہوں
 خم: دست: نوازش: ہو گیا ہے: طوق: گروں میں

مزے: جہان کے اپنی نظر میں خاک نہیں
 سوائے: خون: جگر: سو جگر میں خاک نہیں
 مگر: غبار: ہوئے: پر: ہوا: ازلے: جائے
 وگر نہ: تاب: و تو اں: بال: و پر میں خاک نہیں
 یہ: کس: بہشت: شانگل کی آمد آمد ہے
 کہ: غیر: جلو: گل: رہگزار میں خاک نہیں

بھلا اسے نہ کسی 'کچھ' مجھی کو رحم آتا
 اثر مرے نفس بے اثر میں خاک نہیں
 خیال جلوۂ گل سے 'خراب' ہیں میکش
 شراب خانے کے دیواروں میں خاک نہیں
 ہوا ہوں عشق کی عمارت گری سے شرمندہ
 سوائے حسرت تعمیر گھر میں خاک نہیں
 ہمارے شعر ہیں اب صرف دل لگی کے اُمد
 کھاک 'فائدہ' عرش ہنر میں خاک نہیں

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت زرد سے بھر نہ آئے کیوں!
 روئینے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں!
 دیر نہیں 'حرم' نہیں 'در' نہیں 'استان' نہیں
 بیٹھے ہیں رہنمور پہ ہم 'غیر' ہمیں اٹھائے کیوں!
 جب وہ جمال و لقروں صورتِ مہر نیم روز

آپ ہی ہو نثارہ سوز، پردے میں منہ چھپائے کیوں!
 دھند غمزہ جاں ستاں، ناوک ہار بے چہہ
 تیرا ہی عکس، رخ سہی، سامنے تیرے آئے کیوں!
 قید حیات و بند غم، اصل میں دونوں ایک ہیں
 موت سے پہلے، کوی غم سے نجات پائے کیوں!
 حسن اور اس پہ حسن، ظن، رہ گئی یو الوس کی شرم
 اپنے پہ اعتماد ہے، غیر کو آزمائے کیوں
 .. وال وہ غرور، عزو نازیباں یہ، تاج پاں وضع
 راہ میں ہم ملیں کہاں، بزم میں وہ بلائے کیوں!
 ہاں وہ، نہیں خدا پرست، جاؤ وہ بے وفا سہی
 جس کو ہودین، دل عزیز اس کی گھلی میں جائے کیوں!
 غالب خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں!
 رویے زار زار کیا، کبھی ہائے ہائے کیوں!



غچہ ہاشقفتہ کو دور سے مت دکھا کہ ”یوں“
بوسے کو پوچھتا ہوں میں ’منہ سے مجھے بتا کہ “یوں“
پرش طرز دہری کیجئے کیا کہ بن کے
اس کے ہر ایک شراب سے نکلے ہے یہ لوا کہ ”یوں“
رات کے وقت مے پیے ’ساتھ رقیب کو لئے
آئے وہ یں خدا کرے ’پرنہ کرے خدا کہ یوں
غیر سے رات کیا بنی؟ یہ جو کہا تو دیکھئے
سامنے کن بیٹھنا اور یہ دیکھنا کہ یوں
بزم میں اس کے روبرو کیوں نہ خموش بیٹھے
اس کی تو خاموشی میں بھی ہے یہی مدعا کہ یوں
میں نے کہا کہ ”بزم باز چاہئے غیر سے تمہی“
من کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ ”یوں“

مجھ سے کہا جو یاد نے "جاتے ہیں ہوش کس طرح؟"
 دیکھ کے میری بیٹھودی چلتے گئی ہوا کہ "یوں"
 کب مجھے کوئے یاد میں رہنے کی وضع یاد تھی
 آئینہ دارین گئی حیرتِ نقشِ پا کہ یوں
 گرتے دل میں ہو خیالِ وصل میں شوق کا زوال
 موجِ محیط آب میں مارے ہے دستِ دپاکہ "یوں"
 جو یہ کہے کہ "ریختہ کیوں کے ہو رنگِ فارسی؟"
 گھٹتے غالب ایک بار پڑھ کے اسے سنا کہ "یوں"

حسد سے دل اگر افسردہ ہے گرم تماشا ہو
 کہ چشمِ تنگ شاید کثرتِ نظارہ سے وا ہو
 بقدر حسرتِ دل چاہئے ذوقِ معاصی بھی
 بھروں یک گوشہ دامنِ گر آبِ ہفت دریا ہو
 اگر وہ سرو قد گرم خرامِ ناز آجائے
 کتبِ ہر خاک گلشنِ شکرِ قمری مالِ فرسا ہو

کہتے ہیں جا رہا تو نہ دو طعنہ کیا کہیں
 بھولا ہوں حقِ صحبت اہلِ کنشت کو!
 طاعت میں ہمارے نہ مے وا نکلیں کی لاگ
 دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو

ہوں منحرف نہ کیوں رہو رسمِ ثواب سے
 میزِ ہالکا ہے قطِ قلم سرِ نوشت کو
 غالب! کچھ اپنی سنی سے کہنا نہیں مجھے
 خرمنِ جلے اگر نہ ملخ کھائے کشت کو

دارست اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو
 کیجئے ہمارے ساتھِ عدولت ہی کیوں نہ ہو
 چھوڑا نہ مجھ میں ضعف نے رنگِ اختلاط کا
 ہے دل پہ بارِ نقشِ محبت ہی کیوں نہ ہو
 ہے مجھ کو تجھ سے تذکرۂ غیر کا گلہ
 ہر چند بر سبیلِ شکایت ہی کیوں نہ ہو
 پیدا ہوئی ہے کہتے ہیں ہر درد کی دوا
 یوں ہو تو چارۂ غمِ الفت ہی کیوں نہ ہو
 ڈالا نہ تھکسی نے کسی سے معاملہ
 اپنے سے کھینچتا ہوں منجات ہی کیوں نہ ہو

ہے آدمی بجاے خود اک محشر خیال
 ہم انجمن سمجھتے ہیں 'خلوت' ہی کیوں نہ ہو
 ہنگامہ زیبونی ہمت' ہے افعال
 حاصل نہ کیجے دہرے 'عبرت' ہی کیوں نہ ہو
 وارستگی یہاں چپاگلی نہیں
 اپنے سے کر نہ غیر سے وحشت ہی کیوں نہ ہو
 منتا ہے فوتِ فرصتِ ہستی کا غم کوئی
 عمر عزیز صرفِ عبادت ہی کیوں نہ ہو
 اس فتنہ خو کے در سے اب اٹھتے نہیں اسد
 اس میں ہمارے سر پہ قیامت ہی کیوں نہ ہو

—

قفس میں ہوں مگر اچھا بھی نہ جانیں میرے شیون کو
 مرا ہونا بُرا کیا ہے نواستہجان گلشن کو
 نہیں مگر ہمدی آساں نہ ہو یہ رشک کیا کم ہے
 نہ دی ہوتی خدا لیا! آرزوے دوست دشمن کو
 نہ اگا آنکھ سے تیری اک آنسو اس جرات پر
 کیا سینے میں جس نے خونچکاں مڑگان سوزن کو
 خدا شرمائے ہاتھوں کو کہ رکھتے ہیں کشاکش میں
 کبھی میرے گریباں کو کبھی جاناں کے دامن کو
 ابھی ہم تعلقہ کا دیکھنا آساں سمجھتے ہیں
 نہیں دیکھا شہادر جوے خوں میں تیرے توسن کو
 ہوا چرچا جو میرے پانو کی زنجیر بننے کا
 کیا بیتاب کال میں جہنیش جوہر نے آہن کو

خوشی کیا، کھیت پر میرے، اگر سوبہ لڑ کوے
 سمجھتا ہوں کہ ڈھونڈھے ہے ابھی سے برق خرمن کو
 وفاداری بہ شرط استواری، اصل ایمان ہے
 مرے بُت خانے میں، تو کبھے میں گاڑو برہمن کو
 شہادت تھی مری قسمت میں، بودی تھی یہ خوبجھ کو
 جہاں تلوار کو دیکھا، جھکا دیتا تھا گردن کو
 نہ لٹما دن کو، تو کب رات کو یوں بیٹھ سوتا
 رہا کھٹکا نہ چوری کا، دعا دیتا ہوں رہزن کو
 خن کیا کہ نہیں کہتے، کہ جو یا ہوں جواہر کے
 جگر کیا ہم نہیں رکھتے، کہ کھودیں جا کے معدن کو
 مرے شاہ سلیمان جاوے نسبت نہیں غالب!
 فریدون و جم و کُھسرو و دلراب و بہمن کو

ۛۛۛ

دھوتا ہوں جب میں پینے کو اس سیم تن کے پائو
 رکھتا ہے، 'ضد سے' کھینچنے کے باہر نگلن کے پائو

دی ساوگی سے جان' پڑوں کو بہن کے پاؤ
 بیسات! کیوں نہ ٹوٹ گئے پیرزن کے پاؤ
 بھاگے تھے ہم بہت' سو اسی کی سزا ہے یہ
 ہو کر اسیر' دلتے ہیں' راہزن کے پاؤ
 مرہم کی جستجو میں' پھرا ہوں جو دور دور
 تن سے سوا فکر ہیں' اس خستہ تن کے پاؤ
 اللہ رے ذوقِ دشتِ نور دی کہ' بعدِ مرگ
 ملتے ہیں خود خود مرے' اندر کفن کے پاؤ
 ہے جوشِ گل بہار میں یاں تک کہ' ہر طرف
 اڑتے ہوئے اچھتے ہیں مرغِ چمن کے پاؤ
 شب کو کسی کے خواب میں آیا نہ ہو کہیں!
 دکھتے ہیں آج' اس متنازک بدن کے پاؤ
 غالب! مرے کلام میں کیوں کر مزانہ ہو
 چیتا ہوں دھو کے خسرو شیریں غن کے پاؤ



واں اس کو ہول دل ہے 'تویاں میں ہوں شر مسد
یعنی یہ میری آہ کی تاثیر سے نہ ہو
اپنے کو دیکھتا ضعیف ذوقِ ستم تو دیکھ
آئینہ تا کہ دیدہ پنچیر سے نہ ہو



واں پہنچ کر جو غش آتا محکم ہے ہم کو
صدرہ آہنگ زمیں یوس قدم ہے ہم کو
دل کو میں 'لور مجھے دل 'محو و فار کھتا ہے
کس قدر ذوقِ گرفتاری ہم ہے ہم کو
ضعف سے نقشِ پے مور ہے طوقِ گردن
تیرے کوچے سے کہاں طاقتِ رم ہے ہم کو
جان کر کیجے تغافل کہ کچھ امید بھی ہو
یہ نگاہِ ناطق انداز تو سم ہے ہم کو

رُخسب ہم طرحی و درد اثر بانگِ حزیں
 نلکہ مرغِ سحر، قیغِ دوم ہے ہم کو
 سر اڑانے کے جو وعدے کو مکرر چاہا
 ہنس کے بولے کہ ”ترے سر کی قسم ہے ہم کو“
 دل کے خوں کرنے کی کیا وجہ! لیکن ہنچہ
 پاتیا بے روٹھی دیدہ، اہم ہے ہم کو
 تم وہ نازک کہ خوشی کو فغاں کہتے ہو
 ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہم کو
 قطعہ

نکھٹو آنے کا باعث نہیں کھلتا، یعنی
 ہوسِ سیر و تماشا، سو وہ کم ہے ہم کو
 مقطعِ سلسلہ شوق نہیں ہے یہ شر
 عزمِ سیرِ نجف و طوفِ حرم ہے ہم کو
 لیے جاتی ہے کہیں ایک توقع، غائب
 جاوہِ رہ، کششِ کافِ کرم ہے ہم کو

تم جانو تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو
 مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو
 جتنے نہیں مواخذہ روزِ حشر سے
 قاتل اگر رقیب ہے تو تم گولہ ہو
 کیا وہ بھی دھجھکے کش و حق ناشناس ہیں
 مانا کہ تم بھر نہیں، خرشید و ماہ ہو
 ابھر اہوا نقاب میں ہے ان کے ایک تار
 مرتا نوں میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو
 جب میکدہ چھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید
 مسجد ہو، مدرسہ ہو، کوئی خانقاہ ہو
 سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست
 لیکن خدا کرے وہ ترا جلوہ گاہ ہو
 مآب بھی گرنہ ہو تو کچھ ایسا ضرر نہیں
 دنیا ہو، یارب! اور مرا بادشاہ ہو

گئی وہ بات کہ 'ہو گفتگو' تو کیوں کر ہو!
 کس سے کچھ نہ ہو! پھر کسو تو کیوں کر ہو!
 ہمارے ذہن میں اس فکر کا ہے نام وصال
 کہ گرنے ہو 'تو کہاں جائیں' ہو تو کیوں کر ہو!
 ادب ہے اور یہی کش مکش تو کیا کیجیے
 حیا ہے اور یہی گو گلو' تو کیوں کر ہو!
 تمہیں کسو کے گزرا صنم پرستوں کا
 بتوں کی ہو اگر ایسی ہی خو' تو کیوں کر ہو!
 الجھتے ہو تم' اگر دیکھتے ہو آئینہ
 جو تم سے شہر میں ہوں ایک دو' تو کیوں کر ہو!
 جسے نصیب ہو' روزِ سیاہ' میرا سا
 وہ شخص دن نہ کہے رات کو' تو کیوں کر ہو!
 ہمیں پھر ان سے امید' اور انہیں ہماری قدر
 ہماری بات ہی پوچھیں نہ وہ تو کیوں کر ہو

غلط نہ تھا ہمیں خط پر گماں تسلی کا
 نہ مانے دیدہ دیدار جو تو کیوں کر ہوا
 بتاؤ اس مژہ کو دیکھ کر ہو مجھ کو قرار
 یہ نیش ہو رگ جاں میں فرو تو کیوں کر ہوا
 مجھے جنوں نہیں غالب ولے بقول حضور
 "فراق یار میں تسکین ہو تو کیوں کر ہوا"

کسی کو دے کے دل کوئی نواجذ فغاں کیوں ہوا
 نہ ہو جب دل ہی سینے میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہوا
 وہ اپنی خو نہ چھوڑینگے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں
 سبک سرن کے کیا پوچھیں کہ "ہم سے سرگراں کیوں ہوا"
 کیا غنوار نے رسوا لگے آگ اس محبت کو
 نہ لادے تاب جو غم کی وہ میرا رازداں کیوں ہو
 وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا
 تو پھر اسے سنگ دل تیرا ہی سنگ آستان کیوں ہو

قفس میں مجھ سے روداد چمن کہتے ' نہ ڈر ہمد!
 غری ہے جس پہ کل 'جلی' وہ میرا آشیں کیوں ہو
 یہ کہہ سکتے ہو "ہم دل میں نہیں ہیں" پر یہ بتلاؤ
 کہ جب دل میں نہیں تم ہو تو آنکھوں سے نہ کیوں ہو!
 غلط ہے جذب دل کو شکوہ دیکھو جرم کس کا ہے
 نہ کھینچو گر تم اپنے کو کشاکش درمیاں کیوں ہو!
 یہ فتنہ آدمی کی خانہ دیرانی کو کیا کم ہے
 ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آہل کیوں ہو!
 یہی ہے آزمائش تو ستلا کس کو کہتے ہیں
 عدو کے ہو لیے جب تم تو میرا امتحان کیوں ہو!
 کہا تم نے کہ "کیوں ہو غیر کے ملنے میں رسوائی"
 بجا کہتے ہو 'بیج کہتے ہو' پھر کہیو کہ ہاں کیوں ہو!
 نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو غالب
 ترے بے مر کہنے سے وہ تجھ پر مریں کیوں ہو

رہے اب ایسی جگہ چل کر 'جہاں کوئی نہ ہو
 ہم سخن کوئی نہ اور ہم زباں کوئی نہ ہو
 بے درو دیوار سا' اک گھر بنایا چاہئے
 کوئی ہمسایہ نہ ہو' اور پاسباں کوئی نہ ہو
 پڑے گھر سار' تو کوئی نہ ہو تیار دار
 اور اگر مر جائے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

۵

از مر تاپہ ذرہ دل و دل ہے آئینہ
 طوطی کوشش جہت سے مقلد ہے آئینہ

--

ہے ہرزہ زار ہر درو دیوار غمگدہ
 جس کی بہادیہ ہو پھر اس کی خرمی نہ پوچھ
 ناچار ٹیکسی کی بھی حسرت اٹھائیے
 دشواری رہ و ستم ہر ماں نہ پوچھ

ی

صد جلوہ رو پہ رو ہے 'جو مڑگاں اٹھائیے
طاقت کہاں کہ دید کا احساں اٹھائیے
ہے سنگ پر براتِ معاشِ جنونِ عشق
یعنی ہنوز منتِ طفلان اٹھائیے
دیوارِ بارِ منتِ مُزدور سے ہے خم
اے خانماںِ خراب! نہ احساں اٹھائیے
یا میرے زخمِ رشک کو ز سوانہ کیجیے
یا پردہٴ تجسمِ پنہاں اٹھائیے

مسجد کے زیرِ سایہ خرابات چاہیے
بھوں پاسِ آنکھ قبلہٴ حاجات چاہیے
عاشق ہوئے ہیں آپ بھی ایک اور شخص پر
ہر ستم کی کچھ تو مکافات چاہیے

دے دلو! فلک! دل حسرت پرست کی
 ہاں کچھ نہ کچھ تلافیِ مافات چاہیے
 سیکھے ہیں مہِ رخوں کے لیے ہم مصوری
 تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے
 مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاء کو
 اگ گو نہ بخودی مجھے دن رات چاہیے
 ہے رنگِ لالہ و گل و نسریں جدا جدا
 ہر رنگ میں بیمار کا اثبات چاہیے
 سرِ پاتِ نغم پہ چاہیے ہنگامِ بخودی
 رو سو قبلہ وقتِ مناجات چاہیے
 یعنی بہ حسب گردشِ پیانہ صفات
 عارف ہمیشہ مستِ مے ذات چاہیے
 نشوونما ہے اصل سے 'غالب'! فروع کو
 خاموشی ہی سے نکلے ہے 'جوابات' چاہیے



بساطِ بحر میں تھا ایک دل یک قطرہ خوں وہ بھی
 سو رہتا ہے باندازِ چھیدن سرنگوں وہ بھی
 رہے اس شوح سے آزر وہ ہم چندے تکلف سے
 تکلف برطرف تھا ایک انداز جنوں وہ بھی
 خیال مرگ کب تسکین دل آزرہ کو ٹٹھے
 مرے دامِ تمنا میں ہے اک صیدِ زوں وہ بھی
 نہ کرتا کاشِ نالہ مجھ کو کیا معلوم تھا ہمد!
 کہ ہو گا باعثِ افزائشِ دردِ دروں وہ بھی
 نہ اتنا بدش تیغِ جفا پر ناز فرماؤ
 مرے دریاے بیتابی میں ہے اک موجِ خوں وہ بھی
 مے عشرت کی خواہشِ ساقیِ گردوں سے کیا کیجے
 لیے تنہا ہے اک دو چار جامِ واژگوں وہ بھی
 مرے دل میں ہے غالب! شوقِ وصل و شکوہِ ہجر
 خداوہ دن کرے نبواس سے میں یہ بھی کموں وہ بھی

ہے بزمِ بے ہوا میں غنّ آرزوہ لبوں سے
 تنگ آئے ہیں ہم، ایسے خوشامدِ طلبوں سے
 ہے دورِ قدحِ وجہِ پریشانی صبا
 یک بار لگا دو خم سے میرے لبوں سے
 رندانِ درِ میکدہ گستاخ ہیں زابدا!
 زہرا نہ ہونا طرفِ ان بے ادبوں سے
 پیداو وفا دیکھ کہ جاتی رہی آخر
 ہر چند مری جان کو تھا ربط لبوں سے

--

تا ہم کو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا
 سن لیتے ہیں گو ذکرِ ہمارا نہیں کرتے
 غالب! ترا احوال سنا دیں گے ہم ان کو
 وہ سن کے بلا لیں یہ اجارا نہیں کرتے

--

گھر میں تھا کیا کہ ترا غم اسے غارت کرتا
وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرتِ قیہرِ سو ہے

غم دنیا سے گر پائی بھی فرصت سر اٹھانے کی
فلک کا دیکھنا، تقریبِ تیرے یاد آنے کی
کھلے گا کس طرح مضمونِ مرے مکتوب کا یارب!
قسم کھائی ہے اس کا فرنے کا نذ کے جلانے کی
پلٹنا پر نیاں میں شعلہ آتش کا آساں ہے
ولے مشکل ہے حکمتِ دل میں سوزِ غم چھپانے کی
انھیں منظور اپنے زخمیوں کا دلیہ آنا تھا
اٹھے تھے سیرِ گل کو، دیکھنا شوشِ بہانے کی
ہماری سلاگی تھی، اشقاتِ ناز پر مرنا
ترا آنا نہ تھا ظالم! مگر تمہید جانے کی

لکھ کوہِ حواث کا قہل کر نہیں سکتی
 مری طاقت کہ ضامن تھی بتوں کے بڑاٹھانے کی
 کہوں کیا خوبی اوضاعِ بنابِ زماں غالب!
 بدی کی اس نے جس سے ہم نے کی تھی باربائیکی

--

حاصل سے ہاتھ دھو بیٹھ اب آرزو خرامی!
 دل جو شبِ گریہ میں ہے ڈوبی ہوئی اسامی
 اُس شمع کی طرح سے جس کو کوئی بجھا دے
 میں بھی جلے ہوؤں میں ہوں داغِ نامتوامی

--

کیا تلک ہم ستم زدگار کا جہان ہے
 جس میں کہ ایک بیضہٴ نور آسمان ہے
 ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے
 پر تو سے آفتاب کے ذرے میں جان ہے

حال آنکہ ہے یہ سبلی خارا سے الہ رنگ
 غافل کو میرے شیشے پے کا گمان ہے
 کی اس نے گرم سینہ اہل ہوس میں جا
 کوئے نہ کیوں پسند کہ ٹھنڈا مکان ہے
 کیا خوب! تم نے غیر کو یوسہ ضمیم دیا؟
 بس چپ رہو، ہمارے بھی منہ میں زبان ہے
 بیٹھا ہے جو کہ سایہ دیوار یار میں
 فرماں رواں کشور ہندوستان ہے
 ہستی کا اعتبار بھی غم نے منا دیا
 کس سے کہوں کہ داغ جگر کا نشان ہے
 ہے بارے اعتماد وفاداری اس قدر
 غالب! ہم اس میں خوش ہیں کہ نامریک ہے

درد سے میرے 'ہے تجھ کو بیقراری' ہاں ہاں !
 کیا ہوئی ظالم تری غفلت شعاری 'ہاں ہاں !'
 تیرے دل میں گر نہ تھا آشوب غم کا حوصلہ
 تو نے پھر کیوں کی تھی میری غم گساری 'ہاں ہاں !'
 کیوں مری غمخواری کا تجھ کو آیا تھا خیال ؟
 دشمنی اپنی تھی 'میری دوستداری' ہاں ہاں !
 مہر بھر کا تو نے پیمان وفا باندھا تو کیا !
 مہر کو بھی تو ضمیمے ہے پایداری 'ہاں ہاں !'
 زہر نکلتی ہے مجھے آب و ہوائے زندگی
 یعنی تجھ سے تھی اسے ناسازگاری 'ہاں ہاں !'
 گل فشانی ہاں ہاں ہاں جلوہ کو کیا ہو گیا ؟
 خاک پر ہوتی ہے تیری اللہ کاری 'ہاں ہاں !'

شرمِ رسوائی سے جا چھپنا نقابِ خاک میں
 ختم ہے الفت کی تجھ پر پردہ داری ہاے ہاے
 خاک میں ناموسِ بیانِ محبت مل گئی
 اٹھ گئی دنیا سے راہ و رسمِ یاری ہاے ہاے !
 ہاتھ ہی تنقِ آزما کا کام سے جاتا رہا
 دل پہ اک لگنے نہ پلایا زخمِ کاری ہاے ہاے !
 کس طرح کائے کوئی شب ہائے تارِ برشکال
 ہے نظرِ ٹھو کر دو اخترِ شماری ہاے ہاے
 گوشِ مہجورِ پیام و چشمِ محرومِ جمال
 ایک دلِ تس پر یہ نا امیدواری ہاے ہاے
 عشق نے پکڑا نہ تھا غائب ! ابھی وحشت کا رنگ
 رہ گیا تھا دل میں جو چھ ذوقِ خواری ہاے ہاے !



مشتعلی میں 'عالم' ہستی سے پاس ہے
تسکین کو دے نوید کہ مرنے کی آس ہے
لیتا نہیں مرے دل آوارہ کی خبر
اب تک 'وہ' جانتا ہے کہ میرے ہی پاس ہے
کبھی یہاں سرورِ محبوبِ غم کہاں تک
ہر موہ مرے بدن پہ 'زبان' پاس ہے
ہے وہ غرورِ حسن سے بیگانہ وفا
ہر چند اس کے پاس دل حق شناس ہے
پی 'جس' قدر ملے شبِ متاب میں شراب
اس 'بلغھی' مزاج کو گرمی ہی راس ہے
ہر یک مکان کو ہے یکیں سے شرفِ اسد
مجنوں جو مر گیا ہے 'تو' جنگلِ لہو اس ہے

گر خامشی سے فائدہ اخفاے حال ہے
 خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے
 کس کو سناؤں حسرتِ اظہار کا لگہ
 دل 'فردِ جمع و خراجِ زباں ہائے لال ہے
 کس پردے میں ہے آئینہ پردازِ اے خدا!
 رحمت کہ عذرِ خواہ لب بے سوال ہے
 ہے ہے 'خدا انخواستہ' وہ اور دشمنی!
 اے شوق! منفعل! یہ تجھے کیا خیال ہے
 مشکلیں لبِ آبِ کعبہ 'علیٰ کے قدم سے جان
 نافِ زمین ہے' نہ کہ نافِ غزال ہے
 وحشت پہ میری عرصہ آفاق گنگ تھا
 دریا 'زمین کو عرقِ انفعال ہے
 ہستی کے مت فریب میں آجائیو' اسد
 عالم تمام 'حلقہ دامنِ خیال ہے

تم اپنے شکوے کی باتیں نہ کھود کھود کے پوچھو
 حذر کرو مرے دل سے کہ اس میں آگ دلی ہے
 والا! یہ درد و الم بھی تو مغنم ہے، کہ آخر
 نہ گریہ سحری ہے، نہ آو نیم شبی ہے

--

ایک جا حرفِ وفا لکھا تھا سو بھی مٹ گیا
 ظاہر کا غد ترے خط کا غلط بردار ہے
 جی جلے ذوقِ فنا کی ناتما پر، نہ کیوں!
 ہم نہیں جلتے، نفسِ ہر چند آتشِ بار ہے
 آگ سے پانی میں بجھتے وقت اُٹھتی ہے صدا
 ہر کوئی در ماندگی میں نالے سے ناچار ہے
 ہے وہی بد مستی ہر ذرہ کا خود عذر خواہ
 جس کے جلوے سے زمیں تا آسمان سر شد ہے

مجھ سے مت کہہ 'تو ہمیں کتنا تھا اپنی زندگی
 زندگی سے بھی مر جی ان دونوں بیزار ہے
 آنکھ کی تصویر سرنامے پہ کھینچی ہے کہ تا
 تجھ پہ کھل جاوے کہ اس کو حسرت دیدار ہے

غیر میں گزرتے ہیں جو کوچے سے وہ میرے
 کندھا بھی کناروں کو بدلنے نہیں دیتے

مری 'ہستی' فضا حیرت آباد تمنا ہے
 جسے کہتے ہیں نالہ 'وہ اسی عالم کا علقا ہے
 خزاں یا خصل گل کہتے ہیں کس کو کوئی موسم ہو
 وہی ہم ہیں 'فصل ہے اور ماتم بال و پر کا ہے
 وقار و ہوا ہے اتفاق 'ورنہ' اے ہمد!
 اثر فریاد دل ہائے حزیں کا کس نے دیکھا ہے!

نہ لائی شوقِ اندیشہ تابِ رنجِ نومیدی
کھنکھسِ افسوس ملنا، عہدِ تجدیدِ تمنا ہے

رحم کر، ظالم! کہ کیا بود چراغِ کشتہ ہے
فیضِ ہمارِ وفا دود چراغِ کشتہ ہے
دلِ تنگی کی کمرزد بے چین رکھتی ہے ہمیں
ورنہ یاں بے رونقی سود چراغِ کشتہ ہے

چشمِ خوباں خامشی میں بھی نوا پرداز ہے
سرِ مہ، تو کہوے کہ دودِ شعلہٴ گواز ہے
پہچرِ عشاق، سازِ طالعِ ناساز ہے
نالہ، گویا گردشِ سیارہ کی گواز ہے
دستِ گاہ ویدہ، خونبارِ مجنوں دیکھنا
یک ہیاباں جلوۂ گل، فرشِ پا انداز ہے

عشق مجھ کو نہیں، وحشت ہی سہی
 میری وحشت، تری شرمت ہی سہی
 قطع کیجئے نہ، تعلق ہم سے
 کچھ نہیں ہے، تو عدوت ہی سہی
 میرے ہونے میں، ہے کیا رسوائی؟
 اے، وہ مجلس نہیں، خلوت ہی سہی
 ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے!
 غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی
 اپنی ہستی ہی سے ہو، جو کچھ ہو
 آگئی گر نہیں، غفلت ہی سہی
 عمر ہر چند کہ ہے برق خرام
 دل کے خوں کرنے کی فرصت ہی سہی
 ہم کوئی ترک وفا کرتے ہیں!
 نہ سہی عشق، مصیبت ہی سہی

کچھ تو دے، اے فلکِ نا انصاف!
 آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی
 ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے
 بے نیازی تری عادت ہی سہی
 یاد سے چھیڑ چلی جائے، اسدا
 گر نہیں وصل، تو حسرت ہی سہی

+

ہے ارمیدگی میں نگوہش بجا مجھے
 صبح و طن، ہے خندہ ونداں نما مجھے
 ڈھوے ہے اس مغنی آتشِ نفس کو جی
 جس کی صدا ہو جلوۂ برقِ فنا مجھے
 مستانہ طے کروں ہوں، رو وادیِ خیال
 تا بازگشت سے نہ رہے مدعا مجھے

کرتا ہے بسحہ باغ میں تو بے تجلیاں
آنے لگی ہے بھٹ گل سے حیا مجھے
کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ!
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

ۛۛ

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری 'غائب'!
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

ۛۛ

اس بزم میں مجھے نہیں بنتی حیا کیے
بیٹھا رہا 'اگرچہ اشارے ہوا کیے
دل ہی تو ہے 'سیاستِ درہاں سے ڈر گیا
میں گور جاؤں 'ڈر سے ترے بن صدا کیے!
رکھتا پھروں ہوں خرقہ و سجادہ رہن سے
بدت ہوئی ہے 'دعوتِ آب و ہوا کیے

بے صرف ہی گزرتی ہے، ہو گرچہ عمر خضر
 حضرت بھی کل کہیں گے کہ ہم کیا کیا کیے!
 مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے نایم!
 تو نے وہ سچ باب گراں مایہ کیا کیے
 کس روز تمہیں نہ تراشا کیے عدو
 کس دن ہمارے سر پہ نہ آئے چلا کیے
 صحبت میں غیر کی نہ پڑی، ہو کہیں یہ خو
 دیئے لگا ہے بوسہ بغیر التجا کیے
 ضد کی ہے اور بات، مگر خو بری نہیں
 بھولے سے اس نے سینکڑوں وعدے وفا کیے
 غائب! تمہیں کہو کہ ملے گا جواب کیا
 مانا کہ تم کہا کیے، اور وہ سنا کیے

رفتارِ عمرِ قطعِ رو اضطراب ہے
 اس سال کے حساب کو برقِ آفتاب ہے
 مینا مے ہے سروِ نشاطِ بہار سے
 بالِ تدروِ جلوۂ موجِ شراب ہے
 زخمی ہوا ہے پاشنہ پائے ثبات کا
 نے بھاگنے کی گوں نہ اقامت کی تاب ہے
 جلوۂ بادہ نوشی رنداں ہے ششِ جنت
 غافل گماں کرے ہے کہ گیتی خراب ہے
 نظارہ کیا حریف ہو اس برقِ حسن کا
 جوشِ بہارِ جلوے کو جس کے نقاب ہے
 میں نامرادِ دل کی تسلی کو کیا کروں
 مانا کہ تیرے رخ سے گلہ کامیاب ہے
 گزرا اسدِ مسرتِ پیغامِ یار سے
 قاصد پہ مجھ کو رشکِ سوال و جواب ہے

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے
 میں اسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے
 ہاتھ دھو دل سے 'یسی گرمی گرا اندیشے میں ہے
 کجیغہ تنہی صہبا سے پگھلا جائے ہے
 غیر کو یاد ب' وہ کیونکر منع کستاشی کرے
 گر حیا بھی اس کو آتی ہے ' تو شرما جائے ہے
 شوق کو یہ لت کہ ہر دم نالہ کھینچے جائے
 دل کی وہ حالت کہ دم لینے سے گھبرا جائے ہے
 دور چشم بد ' تری بزم طرب سے ' واہ واہ!
 نغمہ ہو جاتا ہے ' وال گرنالہ میرا جائے ہے
 گرچہ ہے طرزِ تقافل ' پردہ دار رازِ عشق
 پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ ' وہ پا جائے ہے

اس کی بزمِ گرائیاں سن کر دل رنجور' یاں
 مثلِ نقشِ مدعائے غیر بیٹھا جائے ہے
 ہو کے عاشق' وہ پری رخ اور نازک بن گیا
 رنگ کھلتا جائے ہے' جتنا کہ اڑتا جائے ہے
 نقش کو اس کے مصور پر بھی کیا کیا ناز ہیں!
 کھینچتا ہے جس قدر' اتنا ہی کھینچتا جائے ہے
 سایہ میرا' مجھ سے مثلِ دود بھاگے ہے' اسد!
 پاس مجھ آتشِ جاں کے کس سے ٹھہرا جائے ہے!

گرم فریاد رکھا' شکلِ نہالی نے مجھے
 تب لماں ہجر میں دی' برد لیالی نے مجھے
 نسیم و نقدِ دو عالم کی حقیقت' معلوم!
 لے لیا مجھ سے مری ہمتِ عالی نے مجھے
 کثرتِ آرائی وحدت' ہے ہر ستاری وہم
 کر دیا کافر ان اصنام خیالی نے مجھے

خوابِ گل کا تصور میں بھی کھٹکا نہ رہا
جب آرام دیا ہے پر وہالی نے مجھے

کارِ گاہِ ہستی میں لالہ داغِ سماں ہے
برقِ خرمنِ راحتِ خونِ گرمِ دہقان ہے
غنیچے تا شگفتنِ ہارِ گِ عافیت معلوم
یابود و لجبی خوابِ گل پریشاں ہے
ہم سے رنجِ بے تالی کس طرح اٹھایا جائے!
دلِ نداشتِ دستِ جزِ شعلہِ خسِ بہ دندان ہے

اگ رہا ہے در و دیوار سے سبزہٗ غالب
ہم بیاباں میں ہیں نورِ گھر میں یہاں آئی ہے

ساوگی پر اس کی نمر جانے کی حسرت دل میں ہے
 بس نہیں چلتا کہ پھر نخبگر کھنڈ قاتل میں ہے
 دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
 میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے
 گرچہ ہے کس کس برائی سے 'ولے' بایں ہم
 ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے
 بس جھوم نا امید! خاک میں مل جائیگی
 یہ جو اک لذت ہماری سعی بے حاصل میں ہے
 رہ رہ کیوں کھینچے ولانہنگی کو عشق ہے
 اٹھ نہیں سکتا ہمارا جو قدم منزل میں ہے
 جلوہ زار آتش دوزخ ہمارا دل سہی
 فتنہ شور قیامت کس کی آب و گل میں ہے؟
 ہے دل شوریدہ غالب نظم سمیچ و تاب
 رحم کر اپنی تمنا پر کہ کس مشکل میں ہے



دل سے 'تری نگاہ' جگر تک اتر گئی
دونوں کو اک لہوا میں رضا مند کر گئی
شق ہو گیا ہے سینہ 'خوشالذتِ فراغ'!
تکلیفِ پردہ دلری زخمِ جگر گئی
وہ باوہ شبانہ کی سرمستیاں کھلاں!
اٹھیے بس اب کہ لذتِ خوابِ سحر گئی
اڑتی پھرے ہے خاک مری کوئے یار میں
بارے اب اے ہوا! ہو بے بال و پر گئی
دیکھو تو دلفریبی اندازِ نقشِ پا
موجِ خرامِ یاد بھی 'کیا گل کتر' گئی
ہر یو الوس نے حسن پرستی شعاع کی
اب آدھے شیوہ اہلِ نظر گئی
نظارہ نے بھی کام کیا وہاں نقاب کا
مستی سے ہر نگہ ترے رخ پر بکھر گئی

فردا ودی کا تفرقہ یک بار مٹ گیا
کل تم مجھے کہ 'ہم' پہ قیامت گزر گئی
مارا زمانے نے 'اسد اللہ خاں' تمہیں
وہ دلوں کہاں 'وہ جوانی کدھر گئی؟

--

تسکین کو ہم نہ روکیں 'جو ذوق نظر ملے
حورانِ خلد میں تری صورت مگر ملے
اپنی گلی میں مجھ کو نہ کر دفن بعد قفل
میرے بچے سے خلق کو کیوں ترا گھر ملے
ساقی گری کی شرم کرو آج 'ورنہ ہم
ہر شب پیاہی کرتے ہیں سے جس قدر ملے
تجھ سے تو چھ کا رام نہیں لیکن اے مدیم!
میرا سلام کہیو 'اگر نامہ بر ملے
تم کو بھی ہم دکھائیں کہ مجنوں نے کیا کیا
فرصت کشاکش غم پنہاں سے گر ملے

لازم نہیں کہ خضر کی ہم پیروی کریں
 مانا کہ اک بزرگ ہمیں ہم سفر ملے
 اے ساکنانِ کوچہ و لہلہ! دیکھنا
 تم کو کہیں جو غالب آشفقہ سر ملے

کوئی دن 'گر زندگانی' اور ہے
 اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے
 آتشِ دوزخ میں 'یہ گرمی' کہاں
 سوزِ غمہائے 'نسائی' اور ہے
 بارِ ہا دیکھی ہیں 'ان کی رنجشیں'
 پر کچھ اب کے سرگرائی اور ہے
 دے کے خط 'منہ دیکھتا ہے نامہ پر'
 کچھ تو پیغامِ زبانی اور ہے
 قاطعِ اعمار ہیں اکثر نجوم
 وہ بلا آسانی اور ہے

نو چکیں، غالب! بلائیں سب تمام
ایک مرگ ناگمانی اور ہے

کوئی امید بر نہیں آتی کوئی صورت نظر نہیں آتی
موت کا ایک دن معین ہے نیند کیوں رات بھر نہیں آتی؟
آجے آتی تھی حال دل پہ ہنسی اب کسی بات پر نہیں آتی
جاننا ہوں ثواب طاعت و زہد پر طبیعت اوھر نہیں آتی
ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں ورنہ کیا بات کر نہیں آتی
کیوں نہ چیخوں کہ یاد کرتے ہیں میری آواز گر نہیں آتی
داغ دل گر نظر نہیں آتا یو بھی اے چارو گر نہیں آتی؟
ہم وہاں ہیں، جہاں سے ہم کو بھی کچھ ہماری خبر نہیں آتی
مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی موت آتی ہے پر نہیں آتی
کہے کس منہ سے جاؤ گے، غالب!
شرم تم کو گر نہیں آتی!

دل ہواں! تجھے ہوا کیا ہے؟ آخر اس ورد کی دعا کیا ہے؟
 ہم ہیں مشتاق اور دو ہزار یا الہی! یہ ماجرا کیا ہے؟
 میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں کاش پوچھو کہ ”دعا کیا ہے“

ق

جب کہ تجھ بن ضعیف کوئی موجود پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے
 یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں؟ غمزد و عشود و اوا کیا ہے؟
 شگن زلفِ غبریں کیوں ہے؟ بھر چشم سرمہ سا کیا ہے؟
 مہرہ و گل کہاں سے آئے ہیں؟ اہ کیا چیز ہے ہوا کیا ہے؟
 ہم کو ان سے وفا کی ہے امید جو ضعیف جانتے وفا کیا ہے
 ہاں بھلا کر ترا بھلا ہو گا اور درویش کی صدا کیا ہے
 جان تم پر غار کرتا ہوں میں ضعیف جانتا دعا کیا ہے
 میں نے مانا کہ کچھ ضعیف غالب!
 مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے



کہتے تو ہو تم سب کہ ہاں غایب ہو آئے
اک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ دو آئے
ہوں کش مکش نزع میں ہاں جذبِ محبت!
کچھ کہہ نہ سکوں پر وہ مرے پوچھنے کو آئے
ہے صاعقہ و شعلہ و سیلاب کا عالم
آنا ہی سمجھ میں مری آتا نہیں، گو آئے
ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھائیں گے نکیرین
ہاں، منہ سے مگر بادِ دوشینہ کی بو آئے
جلاوے ڈرتے ہیں، نہ واعظ سے جھگڑتے
ہم سمجھے ہوئے ہیں اسے جس بھیس میں جو آئے
ہاں، اہل طلب! کون سے طوعہ نایافت
دیکھا کہ وہ ملتا نہیں اپنے ہی کو کھو آئے
اپنا نہیں وہ شیوہ کہ گرام سے بیٹھیں
اس در پہ نہیں بار، تو کہجے ہی کو ہو آئے

کی ہم نفسوں نے ہر گریہ میں تقریر
 اچھے رہے آپ اس سے مگر مجھ کو ڈبو آئے
 اس انجمنِ ہز کی کیا بات ہے 'غالب' !
 ہم بھی گئے وال 'اور تری تقدیر کو رو آئے

پھر کچھ اک دل کو بے قراری ہے سینہ 'جویاے زخمِ کاری ہے
 پھر جگر کھودنے لگا ناخن آمدِ فصلِ لالہ کاری ہے
 قبلہ مقصد نگاہِ نیاز پھر وہی پردہ 'تماری ہے
 چشمِ دلال جنسِ رسولی 'دل' خریدارِ ذوقِ خواری ہے
 وہی 'صدرنگ ہاں فرسائی وہی' صد گونہ اشکباری ہے
 دل 'ہولِ خرامِ ہز سے پھر محشرستان بیقراری ہے
 جلوہ پھر عرضِ ہز کرتا ہے روز بازارِ جاں سپاری ہے
 پھر اسی بے وفا پہ مرتے ہیں پھر وہی زندگی ہماری ہے

ق

پھر کھلا ہے در عدالتِ ناز گرم بازارِ فوجداری ہے
 ہو رہا ہے جہان میں اندھیر زلف کی پھر سرشتِ داری ہے
 پھر دیا پارہٴ جگر نے سوال ایک فریادِ آہ و زاری ہے
 پھر ہوئے ہیں گولہٴ عشقِ طلب اشکباری کا حکم جاری ہے
 دل و مژگاں کا جو مقدمہ تھا آج پھر اس کی رو بکاری ہے
 بے خودی، بے سبب نہیں، غالب!
 کچھ تو ہے، جس کی پردہ داری ہے

۷۷

جنوں قسمت کش تسکین نہ ہو مگر شادمانی کی
 نمک پاشِ خراشِ دل ہے لذتِ زندگانی کی
 کشاکشِ باے ہستی سے کرے کیا سعیِ آزادی
 ہوئی زنجیر، موجِ آب کو، فرصتِ روانی کی

پس از مردن بھی دیون زیدت کا وظفاں ہے
شرار سنگ نے تہمت پہ میری گل فشانی کی

نکو ہش ہے سزا فریادی بیداو دہر کی
مہلا خندہ ونداں نما ہو صبح محشر کی!
رگ لیلیٰ کو خاک دشت مجنوں ریشی مٹھے
اگر یوں بجا سے دانہ و بھقاں نوک نشتر کی
ہر پروں شاید بازبان کشنہ سے تھا
ہوئی مجلس کی گرمی سے روانی دور ساغر کی
کروں بیداو ذوق پر فشانی عرض کیا قدرت!
کہ طاقت اڑ گئی اڑنے سے پہلے میرے شہر کی
کہاں تک روویں اس کے خیمے کے پیچھے قیامت ہے
مری قسمت میں نایاب کیا نہ تھی دیوار پتھر کی؟

ہے اعتمادیوں سے سبک سب میں ہم ہوئے
 جتنے زیادہ ہو گئے اتنے ہی کم ہوئے
 پنہاں تھا دامِ سخت 'قریب آشین کے
 اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتِ ہم ہوئے
 ہستی ہماری اپنی فتنہ پر دلیل ہے
 یاں تک مئے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے
 سختی کشان عشق کی پوچھے ہے کیا خبر!
 وہ لوگ رفتہ رفتہ سراپاِ الم ہوئے
 تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر میں
 تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے ستم ہوئے
 لکھتے رہے جنوں کی حکایاتِ خوں چکاں
 ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے
 اللہ ری تیری عہدیٰ خواہ جس کے ہم سے
 اجزائے مالہ دل میں مرے رزقِ ہم ہوئے

اہل ہوس کی فتح ہے، ترکِ نبردِ عشق
جو پاٹواٹھ گئے، وہی ان کے علم ہوئے
نالے عدم میں چند ہمارے سپرد تھے
جو وہاں نہ کھینچ سکے، سو وہاں آ کے دم ہوئے
چھوڑی اسدا! نہ ہم نے گدائی میں دل لگی
سائل ہوئے، تو عاشقِ اہلِ کرم ہوئے

جو نہ نقدِ داغِ دل کی کرے شعلہ پاسپانی
تو فسرِ دگی نماں ہے، بہ کہین بے زبانی
مجھے اس سے کیا توقع بہ زمانہ جوانی
کبھی کودکی میں، جس نے نہ سنی مری کہانی
یوں ہی دکھ کسی کو دینا نہیں خوب، ورنہ کستا
کہ ”مرے عدو کو یاد ب! ملے میری زندگانی“

ظلمتِ کدے میں میرے شبِ غم کا جوش ہے
 اک شمع ہے دلیلِ سحر، سو خموش ہے
 نے مرثوۂ وصال، نہ نظروۂ جمال
 مدت ہوئی کہ آشنی چشم و گوش ہے
 سے نے کیا ہے حسنِ خود آرا کو بے حجاب
 اے شوق! ہاں اجازتِ تسلیم ہوش ہے
 گوہر کو عقد گردنِ خوباں میں دیکھنا!
 کیا اوج پر ستارۂ گوہر فروش ہے
 دیدارِ بادۂ حوصلہ ساقی، نگاہِ مست
 بزمِ خیالِ میکدۂ بے خروش ہے
 قطعہ

اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل!
 زہرا! اگر تمہیں ہو سِ نائے نوش ہے

دیکھو مجھے جو دیدہٴ عبرت نگاہ ہو
 میری سنو' جو گوشِ نصیحت نبوش ہے
 ساقی' یہ جلوہٴ دشمنِ ایمان و آگہی
 مطرب' یہ نغمہٴ زہرنِ حکیمین و ہوش ہے
 یاشب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہٴ مساط
 دلمان باغبان و کتبِ گلِ فروش ہے
 لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صدائے چنگ
 یہ جنتِ نگاہ' وہ فردوسِ گوش ہے
 یا صبحِ دم جو دیکھیے آکر' تو بزم میں
 نے وہ سرور و سنور نہ جوش و خروش ہے
 داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
 اک شمع رہ گئی ہے' سو وہ بھی خاموش ہے
 آتے ہیں غیب سے یہ مضا میں خیال میں
 غالب! صریحِ خامہٴ نوائے سروش ہے

اک مری جان کو قرار نہیں ہے
 طاقتِ بیدار انتظار نہیں ہے
 دیتے ہیں جنتِ حیاتِ دہر کے بدلے
 نشہ پہ اندازہٴ شمار نہیں ہے
 گر یہ نکالے ہے تری بزم سے مجھ کو
 بابِ اکہ روئے پہ اختیار نہیں ہے
 ہم سے عبث ہے گمانِ رنجشِ خاطر
 خاک میں عشاق کی غبار نہیں ہے
 دل سے اٹھا لطفِ جلوہ بائے معافی
 غیرِ شکلِ گمینہٴ بہار نہیں ہے
 قتل کا میرے کیا ہے عہدِ توبہ کے
 والے اگر عہدِ استوار نہیں ہے
 تو نے قسم سے کشی کی کھائی ہے غالب!
 تیری قسم کا کچھ اعتدال نہیں ہے

ہجومِ غم سے 'یاں تک سرنگونی مجھ کو حاصل ہے
 کہ تار دامن و تارِ نظر میں فرق مشکل ہے
 رفوفِ زخم سے مطلب ہے لذتِ زخمِ سوزن کی
 سب جھپو مت کہ پاسِ درد سے دیوانہ غافل ہے
 وہ گل جس گلستاں میں جلوہ فرمائی کرے غالب
 چٹکنا غنچہ گل کا صدائے خندہ دل ہے

پایہ دامن ہو رہا ہوں بس کہ میں صحرانورد
 خار پا ہیں جوہرِ آئینہ زانو مجھے
 دیکھنا حالتِ مرے دل کی ہم آغوشی کے وقت
 ہے نگاہِ آشنا تیرے سر ہر منو مجھے
 ہوں سراپا سازِ آہنگِ شکایت کچھ نہ پوچھ
 ہے یہی بہتر کہ لوگوں میں نہ چھیڑے تو مجھے

جس بزم میں تو ناز سے گفتار میں آوے
 جاں کا بند صورت دیوار میں آوے
 سایے کی طرح ساتھ پھریں سرو و صنوبر
 تو اس قد و کُش سے جو گلزار میں آوے
 تب ناز گراں ملجی اشک بجا ہے
 جب نحتِ جگر دیدہ خونبار میں آوے
 دے مجھ کو شکایت کی اجازت کہ شہنگر!
 کچھ تجھ کو مزا بھی مرے آزار میں آوے
 اُس چشمِ فسوں گر کا اگر پائے اشارہ
 طوطی کی طرح آئینہ گفتار میں آوے
 کائناتوں کی زباں سوکھ گئی پیاس سے یارب!
 اک ابلہ پا ولوی ہر خاد میں آوے
 مر جاؤں نہ کیوں رشک سے جب وہ تنِ نازک
 آغوشِ خمِ حلقہ زناں میں آوے

غارت گر ناموس نہ ہو گر ہوں زر
 کیوں شاہد گل باغ سے بازار میں کوے
 تب چاک گر بہاں کا مزا ہے ' دل ہواں !
 جب اک نفس اُلجھا ہوا ہر تار میں کوے
 آتشکدہ ہے سینہ مرا رازِ نہاں سے
 اے والے ! اگر معرضِ اظہار میں کوے
 سنجیدہ معنی کا ظلم اس کو سمجھئے
 جو لفظ کہ ' غالب ! مرے اشعار میں کوے

☆

حسن مہ، گرچہ بہ ہنگامِ کمال اچھا ہے
 اس سے میرا میرا خورشیدِ جمال اچھا ہے
 بوسہ دیتے نہیں ' لور دل پہ ہے ہر لحظہ نگاہ
 جی میں کہتے ہیں کہ مفت آئے توں اچھا ہے
 لور بازار سے لے آئے ' اگر ٹوٹ گیا
 ساغرِ جم مرا جامِ سفال اچھا ہے
 بے طلب دیں ' تو مزہ اس میں سوا ملتا ہے

وہ گدا، جس کو نہ ہو محبوب سوال، اچھا ہے
 ان کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منھ پر رونق
 وہ سمجھتے ہیں کہ، ہمارا حال اچھا ہے
 دیکھے، پاتے ہیں عشاق بتوں سے کیا فیض!
 اک برہمن نے کہا ہے کہ، یہ سال اچھا ہے
 ہم خن تیشے نے فرہاد کو شریں سے کیا
 جس طرح کا کہ کسی میں ہو کمال، اچھا ہے
 قطرہ دریا میں جو مل جائے، تو دریا ہو جائے
 کام اچھا ہے وہ، جس کا کہ مال اچھا ہے
 خضرِ سلاطین کو رکھے خالق اکبر سر بنر
 شاہ کے باغ میں یہ تازہ نہال اچھا ہے
 ہم کو معلوم ہے، جنت کی حقیقت، لیکن
 دل کے خوش رکھنے کو، غالب یہ خیال اچھا ہے

--

نہ ہوئی گر مرے مرنے سے تسلی نہ سہی
 امتحاں اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی
 خارِ خارِ المِ حسرتِ دیدار تو ہے
 شوقِ گلستانِ تسلی نہ سہی
 مے پر ستلِ انجم مے منہ سے لگائے ہی بنے
 ایک دن گر نہ ہوا ہزم میں ساقی نہ سہی
 نفسِ قیس کہ ہے چشم و چراغِ معرا
 گر نہیں، شمعِ سیاہ لیلیٰ نہ سہی
 ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق
 نوحہِ غم ہی سہی 'نغمہ' شادی نہ سہی
 نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا
 گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی
 عشرتِ صحبتِ خواباں ہی غنیمت سمجھو
 نہ ہوئی 'غالب' اگر عمرِ طبعی نہ سہی

عجب نشاط سے جلاو کے چلے ہیں ہم آگے
 کہ اپنے سایے سے سر پاؤں سے ہے دو قدم آگے
 قضا نے تھا مجھے چاہا 'خراب' بلاؤ اُلفت
 فقط "خراب" لکھا بس نہ چل سکا قلم آگے
 غم زمانہ نے جھڑی نشاطِ عشق کی مستی
 وگرنہ ہم بھی اٹھاتے تھے لذتِ الم آگے
 خدا کے واسطے 'دلو اس بنونِ شوق کی دنیا
 کہ اُس کے در پہ پہنچتے ہیں نامہ برد سے ہم آگے
 یہ ممرِ بھر جو پریشانیوں اٹھاتی ہیں ہم نے
 تمہارے آئیو اب طرہ ہائے غم بہ غم آگے
 دل و جگر میں پر افشاں جو ایک موجِ خوں ہے
 ہم اپنے زعم میں سمجھے ہوئے تھے اس کو دم آگے
 قسم جنازے پہ آنے کی میرے کھاتے ہیں غالب!
 ہمیشہ کھاتے تھے جو میری جان کی قسم آگے

شکوے کے نام سے بے مر خفا ہوتا ہے
 یہ بھی مت کہ کہ جو کہے 'تو گدہ ہوتا ہے
 پڑہوں میں شکوے سے یوں زاگ سے جیسے باجا
 اک زرا چھیڑے 'بچر دیکھے' کیا ہوتا ہے
 گو سمجھتا نہیں 'پر حسنِ ستانی دیکھو
 شکوہ جو ہے 'سرگرم جفا ہوتا ہے
 عشق کی راہ میں ہے چرخِ موب کی دو چال
 ست رو جیسے کوئی آبلہ پا ہوتا ہے
 کیوں نہ ٹھہریں ہدفِ ناک بیدلو کہ ہم
 آپ اٹھا لاتے ہیں 'کمر تیر خفا ہوتا ہے
 خوب تھا پہلے سے ہوتے جو ہم اپنے بد خواہ
 کہ بھلا چاہتے ہیں 'اور برا ہوتا ہے
 نالہ جاتا تھا 'پر عرش سے میرا اور اب
 لب تک آتا ہے 'جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے

قطعہ

خامد میرا کہ وہ ہے باریدِ بزمِ سخن
شاہ کی مدح میں یوں نغمہ سرا ہوتا ہے !
اے شہنشاہِ کواکب سپہِ مرِ علم !
تیرے اکرام کا حق کس سے لوا ہوتا ہے
سات اقلیم کا حاصل جو فراہم کیجئے
تو وہ لشکر کا ترے نعل پہا ہوتا ہے
ہر مینے میں جو یہ بدر سے ہوتا ہے ہلال
آستان پر ترے مدِ ناصیہ سا ہوتا ہے
میں جو گستاخ ہوں آئینِ غزل خوانی میں
یہ بھی تیرا ہی کرمِ ذوق فزا ہوتا ہے
رکھو غالب ! مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ دردِ مرے دل میں رسوا ہوتا ہے

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ "تو کیا ہے؟"
 تمہیں کسو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے؟
 نہ شعلے میں یہ کرشمہ نہ برق میں یہ لہو
 کوئی بتاؤ کہ وہ شوخ شہدِ خو کیا ہے
 یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہمِ خنِ تم سے
 وگرنہ خوفِ بد آموزیِ عدو کیا ہے
 چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیرا ہن
 ہمارے جیب کو اب حاجتِ رفو کیا ہے
 جلا ہے جسمِ جہاں دل بھی جل گیا ہو گا
 کریدتے ہو جوابِ راکھ 'جنتو کیا ہے؟'
 رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل
 جب آنکھ ہی سے نہ پکا تو پھر لہو کیا ہے
 وہ چیز جس کیلئے ہم کو ہو 'بہشتِ عزیز'
 سوائے بادِ گلخامِ مشک ہو کیا ہے!

پیوں شراب 'اگر غم بھی دیکھ لوں دو چار
 یہ شیشہ و قدح و کوزہ و سبب کیا ہے!
 رہی نہ طاقت گفتار اور اگر ہو بھی
 تو کس امید پہ کہے کہ 'گرزو کیا ہے!
 ہوا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا
 وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

میں اُنہیں چیمیزوں اور کچھ نہ کہیں
 چل نکلتے جو مے پیے ہوتے
 قہر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو
 کاشمے تم مرے لئے ہوتے!
 میری قسمت میں غم گراتا تھا
 دل بھی یارب! کئی دیئے ہوتے
 ابھی جاتا وہ راو پر 'غالب!
 کوئی دن اور بھی جنے ہوتے

غیر لیس محفل میں یوسے جام کے
 ہم رہیں یوں تشنہ لب پیغام کے
 خستگی کا تم سے کیا شکوہ کہ یہ
 جھکنڈے ہیں چرخ نیلی فام کے
 خط لکھیں گے مگر چہ مطلب کچھ نہ ہو
 ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے
 رات پی زمزم پہ مے اور صبح دم
 دھوئے دھبے جلد اِحرام کے
 دل کو آنکھوں نے پھنسیا کیا مگر
 یہ بھی حلقے ہیں تمہارے دام کے؟
 شاہ کے ہے غسلِ صحت کی خبر
 دیکھئے کب دن پھر میں حمام کے!
 عشق نے غالب! نکلا کر دیا
 ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

پھر اس انداز سے بیمار آئی کہ ہوں مروتہ تماشائی
 دیکھو اے ساکنانِ خطہ خاک! اس کو کہتے ہیں عالم آرائی
 کہ زمیں ہو گئی ہے سرِ حمار روکشِ سطحِ چرخِ مینائی
 سبزے کو جب کہیں جگہ نہ ملی بن گیا روے آب پر کانئی
 ہے ہوا میں شراب کی تاشی بادِ نوشی ہے ہادیائی
 کیوں نہ دنیا کو ہو خوشی غالب
 شاہِ دیندار نے شفا پائی

تغافل دوست ہوں میرا دماغِ غمزہ عالی ہے
 اگر پہلو تھی کیجیے تو جا میری بھی خالی ہے
 رہا آباد عالمِ اہل ہمت کے نہ ہونے سے
 بھرے ہیں جس قدر جام و سہو میخانہ خالی ہے

کب وہ سنتا ہے کہانی میری اور پھر وہ بھی زبانی میری
 خلش غمزہ خوں ریز نہ پوچھ! دلچھ خونابہ فشتانی میری
 کیلیاں کر کے مرا زو کیئے یار مگر آشت بیانی میری
 ہوں زخوور قتمہیدائے خیال بھول جانا ہے 'نشانی میری
 متقابل ہے 'مقابل میرا رک گیا دیکھ روانی میری
 قدر سب سر رہ رکھتا ہوں سخت لرزاں ہے گرانی میری
 گرد باو رو پیتلی ہوں صرصر شوق ہے بانی میری
 وہن اس کا جو نہ معلوم ہوا کھل گئی بچ مدانی میری
 کر دیا قصفت نے عاجز 'غالب
 نگہ چیری ہے جوانی میری

نقشِ نازبت طراز' بہ آغوشِ رقیب
 پائے طاووس پہ خامہ مانی مانئے

تو وہ کہ 'خو کہ' تحیر کو تماشا جانے
 غم وہ افسانہ کہ 'آشفقت' بیانی مانگے
 وہ تب مشق تمنا ہے کہ 'پھر صورت شمع
 شعلہ تاب نبض تجرے ریشہ دوانی مانگے

گلشن کو تری صحبت ازس کہ خوش آئی ہے
 ہر غنچے کا گل ہونا آغوش سٹائی ہے
 واں ٹھکر استغناء ہر دم ہے بلندی پر
 یاں نالے کو اور اُلتا دعوائے رسائی ہے
 ازسکے سکھاتا ہے غم ضبط کے انداز
 جو داغ نظر آیا اک چشم ثنائی ہے

جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفو کی
 لکھ دیجیو یارب! اسے قسمت میں عدو کی

اچھا ہے سرِ اجڑتِ حنائی کا تصویر
 دل میں نظر آتی ہے اک یادِ سو کی
 کیوں ڈرتے ہو عشاق کی بے حوصلگی سے؟
 یاں تو کوئی سنتا نہیں فریادِ کسو کی
 دشت نے کبھی منہ نہ لگایا ہو جگر کو
 فتنہ نے کبھی بات نہ پوچھی ہو گلو کی
 صد حیف وہ ناکام کہ اک مہر سے 'غالب' !
 حسرت میں رہے ایک مُتِ مریدہ بخو کی

سیماب، پُشتِ گرمی آئینہ دے ہے، ہم
 حیراں کیے ہوئے ہیں دل بے قرار کے
 آغوشِ غلِ کشودہ برائے دوائ ہے
 اے عندلیب! چل کہ چلے دن بیمار کے

ہے وصل، ہجر، عالم تمکین و ضبط میں
 معشوقِ شوخ و عاشقِ دیوانہ چاہیے
 اُس لب سے مل ہی جائیگا سر کبھی تو ہاں
 شوقِ فضول و جراتِ زندان چاہئے

چاہیے اچھوں کو، جتنا چاہیے
 یہ اگر چاہیں، تو پھر کیا چاہیے
 صحبتِ زنداں سے واجب ہے حذر
 جاے، اپنے کو کھینچا چاہیے
 چاہئے کو تیرے کیا سمجھا تھا دل!
 بارے، لب اس سے بھی سمجھا چاہیے
 چاکِ مت کر، جیب بے لیمِ گل
 کچھ کوہر کا بھی اشارا چاہیے

دوستی کا پردہ ہے بچکانگی
 منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیے
 دشمنی نے میری کھویا غیر کو
 کس قدر دشمن ہے دیکھا چاہیے
 اپنی رسوائی میں کیا چلتی ہے سہی
 یار ہی ہنگامہ آرا چاہیے
 منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید
 نا اُمیدی اُس کی دیکھا چاہیے
 غافل! ان مہ غلعتوں کے واسطے
 چاہئے والا بھی اچھا چاہیے
 چاہتے ہیں خوبرویوں کو اسد
 آپ کی صورت تو دیکھا چاہیے

ہر قدم دوری منزل ہے نمایاں مجھ سے
 میری رفقت سے بھاگے ہے میاں مجھ سے

درِی عنوان تماشا پہ تغافل خوشتر
 ہے نگہ رفتہ شیرازہ مژگن مجھ سے
 وحشت آتشِ دل سے شبِ تنہائی میں
 صورتِ دُور رہا سایہ گریزاں مجھ سے
 غمِ عشاق نہ ہو سادگی آموز بہتاں
 سخنِ قدرِ خالص آئینہ ہے ویراں مجھ سے
 اترِ کلمہ سے جاوے سحرِ اے جنوں
 صورتِ رفتہ گوہر ہے چراغاں مجھ سے
 بیٹھو دی بسترِ تمہیدِ فراغت ہو جو
 مد ہے سایے کی طرح میرا شہبستاں مجھ سے
 شوقِ دیدار میں گر تو مجھے گردنِ مدام
 ہو نگہ مثلِ گلِ شمع پریشاں مجھ سے
 دیکھی ہاے شبِ ہجر کی وحشت ہے ہے
 سایہِ نرغیدِ قیامت میں ہے پنہاں مجھ سے

گردشِ ساغرِ صد جلوۂ رنگیں، تجھ سے
 آئندہ داری یک دیدۂ حیراں مجھ سے
 بھگم گرم سے ایک آگ ٹپکتی ہے، اسد
 ہے چراغاں، خس و خاشاک گلستاں مجھ سے

نکتہ چیں ہے، غمِ دل اس کو سنائے نہ بنے
 کیا بنے بات، جہاں بات بنائے نہ بنے
 میں بلاتا تو ہوں اس کو، مگر اسے جذبۂ دل
 اس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے
 کھیل سمجھا ہے، کہیں چھوڑ نہ دے بھول نہ جائے
 کاش! یوں بھی ہو کہ بن میرے ستائے نہ بنے
 غیر پھرتا ہے لئے یوں ترے خط کو کہ اگر
 کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے، تو چھپائے نہ بنے
 اس نزاکت کا برا ہو وہ بھلے ہیں، تو کیا
 ہاتھ آئیں، تو انہیں ہاتھ لگائے نہ بنے

کہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے
 پردہ چھوڑا ہے وہ اُس نے کہ اٹھائے نہ بنے
 موت کی راہ نہ دیکھوں؟ کہ بن آئے نہ رہے
 تم کو چاہوں؟ کہ نہ آؤ تو بڈائے نہ بنے
 بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے
 کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے
 عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب!
 کہ لگائے نہ لگے اور بٹھائے نہ بنے

چاک کی خواہش اگر وحشت پہ مریانی کرے
 صبح کے مانند زخم دل مریانی کرے
 جلوے کا تیرے وہ عالم ہے کہ مگر کیسے خیال
 دیدہ دل کو زیارت گاہ حیرانی کرے
 ہے شخص سے بھی دل نو مید یاد اکب تلک
 کچھ نہ کوہ پر عرض گر انجانی کرے

میکدہ گر چشم مست باز سے پاؤں شکست
 موبے شیشہ دیدہ ساغر کی مڑگانی کرے
 خطِ عارض سے لکھا ہے زلف کو الفت نے عمد
 یک قلم منظور ہے جو کچھ پریشانی کرے

وہ آئے خواب میں تسکین اضطراب تو دے
 ولے مجھے تپش دل بجال خواب تو دے
 کرتے ہے قتل لگاوت میں تیرا رو دینا
 تری طرح کوئی تیغ نگہ کو آب تو دے
 دکھائے جنبش لب ہی تمام کر ہم کو
 نہ دے جو یوسہ تومن سے کیس خواب تو دے
 پاؤں لوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے
 پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے
 اسدا خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے
 کہا جو اس نے "زرا میرے پاؤں داب تو دے"

تپش سے میری اُفتاب کش محسّس ہر تار بستر ہے
 مرا سر رنجِ بالیں ہے 'مرا تن بار بستر ہے
 سر شکِ سر پہ صحرِ ادوہ 'نور العینِ دامن ہے
 دل بے دست و پا اُفتادہ بر خوردار بستر ہے
 خوشا اقبال رنجوری! عیادت کو تم آئے ہو
 فروغِ شمعِ بالیں 'طالعِ بیدار بستر ہے
 پہ طوفاں گاوِ جوشِ اضطرابِ شامِ تنہائی
 شعاعِ آفتابِ صبحِ محشر تار بستر ہے
 ابھی آتی ہے یو 'باش سے 'اس کی زائِبِ مشکیں کی
 ہماری دید کو 'خوابِ زلیخا' غار بستر ہے
 کموں کیا 'دل کی کیا حالت ہے حجرِ یاد میں 'غالب!
 کہ بے تابی سے ہر اک تار بستر 'خار بستر ہے

فطر ہے رُختِ آفتِ رُکِ سُمن نہ ہو جائے
 خور و سستی آفت ہے 'تو' شمن نہ ہو جائے
 سمجھ اس فصل میں کوتاہی نشوونما غالب
 اگر گل سروے قامت پہ ہجر اکبر نہ ہو جائے

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے ہالہ پابند نے نہیں ہے
 کیوں بڑتے ہیں باغباں تو نے؟ گر باغ گداے سے نہیں ہے
 ہر چند ہر ایک شے میں تو ہے پر تجھ ہی کوئی شے نہیں ہے
 ہاں 'کھائیو مت فریب بستی! ہر چند کہیں کہ' ہے نہیں ہے
 شادی سے گزر کہ 'نغمہ ہووے' اردی جونہ ہو 'تو دے' نہیں ہے
 کیوں رو قدح کرے ہے 'زائد! سے ہے یہ کس کی قے نہیں ہے
 بستی ہے 'نہ کچھ عدم' ہے غالب!
 آخر تو کیا ہے 'اے نہیں ہے؟'

☆

نہ پاچھ نسیں مرہم جراثیمِ دل کا
کہ اس میں ریزہ الماسِ جزوِ اعظم ہے
بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی
وہ اک نگہ کہ 'بظاہر نگاہ سے کم ہے

—

ہم رشک کو اپنے بھی جگہ لرا نہیں کرتے
مرتے ہیں 'ولہ' کی تمنا نہیں کرتے
در پردہ اُنہیں غیر سے 'ہے ربطِ نہانی
ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ پردہ نہیں کرتے
یہ باعثِ نومیدیِ اربابِ ہوس ہے
غالب کو برا کہتے ہو 'اچھا نہیں کرتے

☆

کرتے ہے بلاہِ ترتیب سے کسبِ رنگِ فروغ
خطِ پیالہ 'سرا سر نگاہِ گنجیں ہے

کبھی تو اس سر شوریدہ کی بھی دلو ملے!
 کہ ایک عمر سے حسرت پرستِ بالیں ہے
 بجا ہے 'گر نہ سنے' نالہ ہائے بلبلِ زار
 کہ گوشِ گل 'نہم شبنم سے پنبہ آگیاں ہے
 اسد ہے نزع میں 'چل بے وفا! برائے خدا!
 مقامِ ترکِ حجاب و وداعِ تمکین ہے

☆

کیوں نہ ہو چشمِ ہماں محوِ تغافل 'کیوں نہ ہو؟
 یعنی اس ہمار کو نگارے سے پرہیز ہے
 مرتے مرتے 'دیکھنے کی آرزو رہ جائیگی
 وائے ناکامی! کہ اُس کافر کا خنجر تیز ہے
 عارضِ گل دیکھ 'رودے یار یار کیا' اسد!
 جوشِ فصلِ بہاری اشتیاقِ انگیز ہے

--



دیا ہے دل اگر اس کو 'بخر ہے' کیا کہیے
ہوا رقیب 'تو ہو' نامہ بر ہے 'کیا کہیے
یہ ضد کہ آج نہ آوے 'اور آئے بن نہ رہے
تھنا سے شکوہ ہمیں کس قدر ہے 'کیا کہیے!
رہے ہیں گے وہ گے کہ کوئے دوست کو اب
اگر نہ کہیے کہ دشمن کا گھر ہے 'کیا کہیے؟
زہے کرشمہ! کہ یوں دب رکھا ہے ہم کو فریب
کہ بن کے ہی انہیں سب خبر ہے 'کیا کہیے!
سمجھ کے کرتے ہیں 'بازار میں' وہ پرش حال
کہ یہ کہے کہ 'سر رہگور ہے' کیا کہیے؟
تمہیں نہیں ہے سر رشتہ وفا کا خیال
ہمارے ہاتھ میں کچھ ہے 'مگر ہے' کیا کہیے!
انہیں سوال پہ زعم جنوں ہے 'کیوں لڑیے
ہمیں جواب سے قطع نظر ہے 'کیا کہیے؟

حسد، سزا، کمال، غن ہے، کیا کہیے
 ستم، بہاے، متاع، ہنر ہے، کیا کہیے!
 کہا ہے کس نے کہ، 'غائبِ برا نہیں' لیکن
 سوائے اس کے کہ آشفۃ سر ہے، کیا کہیے

دیکھ کر در پر وہ گرم دامن افشانی مجھے
 کر گئی ولستے تن میری عمریانی، مجھے
 بن گیا تیغِ نگاہِ یاد کا سبکِ فساں
 مرجہا میں! کیا مہلک ہے گراں جانی مجھے
 کیوں نہ ہو بے انتہائی، اس کی خاطر جمع ہے
 جانتا ہے مجھ پر شہ ہے پنہانی مجھے
 میرے غمخانی کی قسمت جب رقم ہونے لگی
 لکھ دیا تخلصِ اسبابِ ویرانی مجھے
 بدگماں ہوتا ہے وہ کافر، نہ ہوتا، کاشکے!
 اس قدر ذوقِ نوالِ مرغِ بہستانی مجھے

والے! وہاں بھی شور محشر نے نہ دم لینے دیا
 لے گیا تھا گور میں ذوقِ تن آسانی مجھے
 وعدہ آنے کا وفا کیجئے! یہ کیا انداز ہے؟
 تم نے کیوں سوچتی ہے میرے گھر کی درباری مجھے؟
 ہاں نشاطِ کمدِ فصلِ بہاری! واہ واہ!
 پھر ہوا ہے تازہ سوداے غزل خوانی مجھے
 دی مرے بھائی کو حق نے از سر کو زندگی
 میرزا یوسف ہے غالب! یوسفِ ثانی مجھے

یاد ہے شادی میں بھی 'ہنگامہ یارب' مجھے
 'نغمہ زاہد' ہوا ہے 'خندہ زہر لب' مجھے
 ہے کشاد خاطر ولسندہ در 'رہنِ سخن'
 تھا طلسمِ قتلِ ابجد 'خاندہ کتب' مجھے
 یارب! اس آشفنگی کی دلو کس سے چاہیے
 رشکِ آسائش پہ ہے زندانیوں کی اب مجھے

طبع ہے مشتاقِ لذت ہاے حسرت کیا کروں!
 آرزو سے 'ہے شمعِ آرزو مطلب مجھے
 دل لگا کر آپ بھی غالب مجھی سے ہو گئے
 عشق سے آتے تھے مانع 'میرزا صاحب مجھے

۴۷

حضور شاہ میں 'اہلِ سخن کی آزمائش ہے
 چمن میں خوش نوائان چمن کی آزمائش ہے
 قدو گیسو میں 'قیس و کوہن کی آزمائش ہے
 جہاں ہم ہیں 'وہاں دارو رس کی آزمائش ہے
 کرچے کوہن کے حوصلے کا امتحان آخر
 ہنوز اس خستہ کے نیروے تن کی آزمائش ہے
 نسیم مصر کو کیا پیر کنعاں کی ہوا خواہی!
 اسے یوسف کی بوے پیر بن کی آزمائش ہے
 وہ آیا زم میں دیکھو نہ کہہو پھر کہ "غافل تھے"
 فکیب و صبر اہل انجمن کی آزمائش ہے

رہے دل ہی میں تیرا 'اچھا' جگر کے پار ہو بہر
 عرضِ شستِ متِ ہوکِ گلن کی آزمائش ہے
 نہیں کچھ سچا و زناہ کے پھندے میں گیرائی
 وفاداری میں شیخ و برہمن کی آزمائش ہے
 پزارہ 'اے دل ولستہ! بیتابی سے کیا حاصل؟
 مگر پھر تابِ زلفِ ہر شکن کی آزمائش ہے
 رگِ دے میں جب اتے زہرِ غم تب دیکھے کیا ہوا
 ابھی تو تلخیِ کام و دہن کی آزمائش ہے
 وہ کوئی گے مرے گھر 'وعدہ کیسا' دیکھنا غالب!
 نئے فتنوں میں اب چرخِ کھن کی آزمائش ہے



کبھی نیکی بھی اس کے جی میں گر آجائے ہے 'مجھ سے
 جفا میں کر کے اپنی یاد' شرما جائے ہے 'مجھ سے
 خدایا! جذبہٴ دل کی مگر تاثیر الٹی ہے!
 کہ جتنا کھینچتا ہوں 'لور' کھچتا جائے ہے 'مجھ سے

وہ بد خو، اور میری داستانِ عشق طولانی
 عبارتِ مختصر، قاصد بھی گھبرا جائے ہے، مجھ سے
 کوہر وہ بدگمانی ہے، ادھر یہ ناتوانی ہے
 نہ پوچھا جائے ہے اس سے نہ لولا جائے ہے مجھ سے
 سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی! کیا قیامت ہے!
 کہ دلہان خیال یار، چھوٹا جائے ہے، مجھ سے
 تکلف برطرف، نظارگی میں بھی سسی لیکن
 وہ دیکھا جائے کب یہ ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے
 ہوئے ہیں پاؤں ہی پہلے، نبردِ عشق میں زخمی
 نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے
 قیامت ہے کہ ہووے مدعی کا مسافر غالب!
 وہ کافر، جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے!

ۛۛۛ

زمزمہ مشقِ تماشا جنوںِ علامت ہے
 کشادہ بستِ مژدہ، کیلیِ ندامت ہے

نہ جانوں کیونکہ مئے داغ طعن بد عمدی
 تجھے کہ آئینہ بھی ورطہ ملامت ہے
 بہ بیچ و تاب ہوس 'سلک عافیت مت توڑ
 نگاہِ غمزہ ر رختہ سلامت ہے
 وفا مقابل و دعوائے عشق بے جبار
 جنون ساختہ و فصل گل 'قیامت ہے'
 ۲۱

لاغر اتنا ہوں کہ گر تو دم میں جاؤں مجھے
 میرا دمہ 'دیکھ کر گر کوئی بتلا دے مجھے
 کیا تعجب ہے کہ اُس کو دیکھ کر آجائے رحم
 وہاں تلک کوئی کسی حیلے سے پہنچا دے مجھے
 منہ نہ دکھلاوے نہ دکھلاؤ پر بہ اندازِ عتاب
 کھول کر پردہ زرد آنکھیں ہی دکھلاوے مجھے
 یاں تلک میری گرفتاری سے وہ خوش ہے کہ میں
 زلف گر بن جاؤں 'تو شانے میں الجھا دے مجھے



باز پوچھ اطفال ہے ' دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا ' مرے آگے
اک کھیل ہے ' لورنک سلیم ' مرے نزدیک
اک بات ہے ' اعجازِ مسیحا ' مرے آگے
جز نام ' نہیں صورتِ عالم مجھے منظور
جز وہم ' نہیں ' ہستی اشیا ' مرے آگے
ہوتا ہے نماں ' گرد میں ' صحرا مرے ہوتے
گھستا ہے جبیں خاک پہ دریا مرے آگے
مت پوچھ کہ کیا حال ہے میرا ترے پیچھے
تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے تیرا مرے آگے
سچ کہتے ہو ' خود بین و خود گرا ہوں ' نہ کیوں ہوں ؟
بیٹھا ہے بہت آئینہ سیما مرے آگے
پھر دیکھیے اندازِ گل افشانی گفتار
رکھ دے کوئی پیانہ صہبا مرے آگے

نفرت کا گماں گزرت ہے میں رشک سے گزرا
 کیوں کر کہوں ”لو نام نہ اُن کا مرے آگے“
 ایسا مجھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر
 کعب مرے پیچھے ہے، کلیسا مرے آگے
 عاشق ہوں، چہ معشوق فریبی ہے مرا کام
 مجنوں کو بُرا کہتی ہے لیلا مرے آگے
 خوش ہوتے ہیں پروصل میں یوں مر نہیں جاتے!
 اُلی شہبِ بھراں کی تمنا مرے آگے
 ہے موجزن اک قلمِ خوں، کاش! یہی ہو
 آتا ہے ابھی دیکھئے، کیا کیا مرے آگے
 گواہ تھو کو جنبشِ نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
 رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے
 ہم پیشہ و ہم مشرب و ہمراز ہے میرا
 غالب! کو برا کیوں کہو، اچھا مرے آگے؟

۴۴
 کہوں جو حال، تو کہتے ہو ”مُدعا کیے“
 تمہیں کہو کہ جو تم یوں کہو، تو کیا کیے
 نہ کہیو طعن سے پھر تم کہ ”ہم شکر ہیں“
 مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو، ”بجا کیے“
 وہ بیشتر سہی، پر دل میں جب اتر جاوے
 نگاہِ ناز کو پھر کیوں نہ آشنا کیے؟
 نہیں ذریعہ راحت، جراتِ پریاں
 وہ زخمِ تنہا ہے، جس کو کہ دکھلا کیے
 جو مدعی نے، اس کے نہ مدعی بنے
 جونا سزا کئے، اس کو نہ ناسزا کیے
 کہیں حقیقت جاں لکھی مرض لکھی
 کہیں مصیبت نلکاری دوا کیے
 کبھی شکستِ رنگِ گراں کشیں کیجے
 کبھی شکستِ صبرِ گرین پا کیے

رہے نہ جان، تو قاتل کو خوں بہا دیجے
 کئے زبان، تو فنجبر کو مر جبا کہیے
 نہیں نگار کو الفت، نہ ہو، نگار تو ہے
 روانی روش و مستی لوا کہیے
 نہیں بہار کو فرصت، نہ ہو، بہار تو ہے
 طراوت چمن و خولہ ہوا کہیے
 سفینہ جب کہ کنارے پہ آگیا غالب!
 خدا سے کیا ستم و جور نا خدا کہیے!

ۛ

رونے سے، 'لور' عشق میں بہا پاک ہو گئے
 دھوئے گئے ہم ایسے کہ بس پاک ہو گئے
 صرف بہا سے ہوئے آلاتِ میحشی
 تھے یہ ہی دو حساب، 'سوہیوں' پاک ہو گئے
 رسوائے دہر گو ہوئے، 'کولرگی' سے، تم
 بادے، 'طبیعتوں' کے تو چالاک ہو گئے

کتا ہے کون نالہ بلبل کو بے اثر؟
 پردے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے
 پوچھے ہے کیا وجود و عدم لیل شوق کا!
 آپ اپنی آگ کے خس و خاشاک ہو گئے
 کرنے گئے تھے اس سے تغافل کا ہم گدہ
 کی ایک ہی نگاہ کہ 'بس خاک ہو گئے
 اس رنگ سے اٹھائی کل اس نے اسد کی لغزش
 دشمن بھی جس کو دیکھ کے غمناک ہو گئے



نشہ ہاشاد لب رنگ و ساز ہاستِ طرب
 شیشہ ہے 'سرو سبز جو بیارِ نغمہ ہے
 ہم نشیں مت کہہ کہ "برہم کرنہ بوم پیش دوست"
 وال 'تو' میرے نالے کو بھی 'اعتبارِ نغمہ ہے



عرضِ نازِ شوخی و دنداںِ بدائے خندہ ہے
 دعویٰ جمعیتِ احباب 'جائے خندہ ہے

ہے عدم میں غنچہ نگو عبرت انجام گل
 یک جہاں زانو تامل در فکائے خندہ ہے
 کلفِ افسردگی کو بھیش بیتابی حرام
 ورنہ دندانِ درویش افسردن بنائے خندہ ہے
 شورشِ باطن کے ہیں احباب منکر ورنہ یاں
 دل محیطِ گریہ و لب آشنائے خندہ ہے

حسنِ بے پروا خریدارِ متاعِ جلوہ ہے
 آئینہ زانوے فخرِ اختراعِ جلوہ ہے
 تا کہا اے آگاہی! رنک تماشا با ختن؟
 چشمِ واگردیدہ آغوشِ وداعِ جلوہ ہے

جب تک دہان زخم نہ پیدا کرے کوئی
 مشکل کہ تجھ سے راہِ خن وا کرے کوئی
 عالمِ غبار و حشتِ مجنوں ہے سر بسر
 کب تک خیالِ طرہ لپٹا کرے کوئی

افسردگی نہیں طرب انشائے انشائے
 ہاں 'دردِ بن کے دل میں مگر جا کرے کوئی
 رونے سے اے ندیم! ملامت نہ کر مجھے
 آخر کبھی تو 'عقدہ' دل وا کرے کوئی
 چاکِ جگر سے 'جب رو پر سش نہ وا ہوئی
 کیا فائدہ کہ جیب کو رسوا کرے کوئی
 تختِ جگر سے 'ہے رگ ہر خد' شاخ گل
 تاچند باغبانی صحرا کرے کوئی
 ناکامی نگاہ ہے برقِ نظارہ سود
 تو وہ 'نہیں کہ' 'شجھ کو تماشا کرے کوئی
 ہر سنگ و خشت 'ہے صدفِ گوہر شکست
 نقصان نہیں 'جنوں سے جو سودا کرے کوئی
 سر بر ہوئی نہ وعدہ صبر آزما سے عمر
 فرصت کہاں کہ 'تیری تمنا کرے کوئی
 ہے وحشتِ طبیعت ایجاں یاں خیر
 یہ درد وہ 'نہیں کہ' نہ پیدا کرے کوئی

بیکاری جنوں کو ہے سرپٹنے کا شغل
جب ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پھر کیا کرے کوئی
حسن فروغ شمعِ سخن دور ہے 'اسد'
پہلے دل گداختہ پیدا کرے کوئی

۴۴

لن مریم ہوا کرے کوئی میرے دکھ کی دوا کرے کوئی
شرح و آئین پر مدار سہی ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی؟
چال جیسے کڑی گمان کا تیر دل میں ایسے کے جا کرے کوئی!
بات پرواں زبان کھلتی ہے وہ کہیں اور سنا کرے کوئی
بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ! کچھ نہ سمجھے 'خدا کرے' کوئی
نہ سنو! گر برا ہے کوئی نہ کہو! گر برا کرے کوئی
روک لو! گر غلط چلے کوئی غش دو! گر خطا کرے کوئی
کون ہے 'جو نہیں ہے حاجتمند؟' کس کی حاجت روا کرے کوئی
کیا کیا خضر نے سکندر سے! اب کسے رہنما کرے کوئی؟
جب توقع ہی اٹھ گئی غالب!
کیوں کسی کا گھد کرے کوئی؟

بہت سی غم گیتی، شراب کم کیا ہے!
 غلام ساقی کوثر ہوں، مجھ کو غم کیا ہے!
 تمہاری طرزِ روش، جانتے ہیں ہم، کیا ہے
 رقیب پر سے اگر لطف، تو ستم کیا ہے؟
 کئے، تو شب کہیں، کالے، تو سانپ کھلاوے
 کوئی بتاؤ کہ، وہ زلفِ خم، خم کیا ہے؟
 لکھا کرے کوئی، احکامِ طالع، مولود
 کسے خبر ہے، وہاں جنبشِ قلم کیا ہے!
 نہ حشر و نشر کا قائل، نہ کیش و ملت کا
 خدا کے واسطے، ایسے کی پھر قسم کیا ہے؟
 وہ دلو و دید گراں مایہ شرط ہے، ہدم!
 وگرنہ مہرِ سلیمان و جام و جم کیا ہے!
 خن میں خامۂ غالب کی آتش افشانی
 یقین ہے ہم کو بھی، لیکن اب اس میں دم کیا ہے

۷۵
 بلخ، پا کر خفقانی، یہ ڈراتا ہے مجھے
 سایہ شاخ گل، افعی نظر آتا ہے مجھے
 جوہر تنق بہ سر چشمہ دیگر معلوم
 ہوں میں وہ سبزہ کہ زہراب اگاتا ہے مجھے
 مدعا جو تماشاے شکستہ دل ہے
 آئینہ خانہ میں کوئی لیے جاتا ہے مجھے
 نالہ، سرمایہ یک عالم و عالم کعب خاک
 آسماں بیضہ قمری نظر آتا ہے مجھے
 زندگی میں تو وہ محفل سے اٹھا دیتے تھے
 دیکھوں اب مر گئے پر کون اٹھاتا ہے مجھے؟

۷۶
 روندی ہوئی ہے کوہنہ شریار کی
 اترائے کیوں نہ خاک، سر رہجوار کی
 جب اس کے دیکھنے کے لئے آئیں بادشاہ
 لوگوں میں کیوں نمود نہ ہو الالہ زار کی

بھوکے نہیں ہیں سیر گلستاں کے ہم نولے
کیوں کرنے کھائے کہ ہوا ہے بہار کی

--

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان، لیکن پھر بھی کم نکلے
ڈرے کیوں میرا قاتل، گیارہ گاس کی گردن پر
وہ خوں جو چشم تر سے، عمر بھر یوں دم بدم نکلے
ٹکنا غلہ سے کوم کا سختے آئے ہیں، لیکن
بہت بے گہر و ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے
بھرم کھل جائے، ظالم! تیرے قامت کی درازی کا
اگر اس طرہ ہڈ چچ و خم کا چچ و خم نکلے
مگر لکھوائے کوئی اس کو خط، تو ہم سے لکھوائے
ہوئی صبح، اور گھر سے کان پر رکھ کر قلم نکلے
ہوئی اس دور میں منسوب مجھ سے، بلوہ آشنائی
پھر کیا وہ زمانہ، جو جہاں میں جامِ جم نکلے

ہوں جن سے توقع، خوشگئی کی داو پانے کی
 وہ ہم سے بھی زیادہ خستہ بیع ستم نکلے
 محبت میں نہیں ہے فرق، جیسے اور مرنے کا
 اسی کو دیکھ کر جیتے ہیں، جس کافر پہ دم نکلے
 کہاں میخانے کا دروازہ، غالب! اور کہاں واسطہ!
 پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

کوہ کے ہوں بار خاطر، گر صدا ہو جائیے
 بے تکلف، اے شرارِ جستہ! کیا ہو جائیے
 بیضہ آسانگ بال و پر پہ ہے کچھ نفیس
 از سر نو زندگی ہو، مگر رہا ہو جائیے

مستی پہ ذوقِ غفلتِ ساقی ہلاک ہے
 موجِ شراب، یک مژدہ خواب ناک ہے
 جز زخمِ تیغِ ناز، نہیں دل میں آرزو
 جیبِ خیال بھی ترے ہاتھوں سے چاک ہے

جوشِ جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں! اسدا
صحرا ہماری آنکھ میں یک مشتِ خاک ہے

لبِ میسٰی کی جنبشِ کرتی ہے گموارہ جنبانی
قیامتِ مستیہ لعلِ بتاں کا خوب سگھیں ہے

آمدش سیلابِ طوفانِ صدا ہے آب ہے
نقشِ پاہوکان میں رکھتا ہے انگلیِ جلوہ سے
برمے 'و حشت کدہ ہے' کس کی چشمِ مست کا؟
شیشہ میں نبضِ پری پنہاں ہے 'موجِ بارہ سے

ہوں میں بھی تماشا ئیِ نیرنگِ تمنا
مطلب نہیں کچھ اس سے کہ مطلب ہی برآوے

سیاہی جیسے گر جائے دمِ تحریر کاغذ پر
مری قسمت میں یوں تصویر ہے شہسازِ جہراں کی

جھوم مال، حیرت، عاجز عرض یک افغاں ہے
 خموشی ریختہ صد نیتاں سے خس بد نداں ہے
 تکلف بر طرف ہے جاں ستاں تر لطف بد خواباں
 نگاہ بے حجاب ناز، تیغ تیز عریاں ہے
 ہوئی یہ کثرت غم سے تلف کیفیت شادی
 کہ صبح عید، مجھ کو بدتر از چاک گریباں ہے
 دل و دیں نقد لا، ساقی سے گر سودا کیا چاہے
 کہ اس بازار میں ساغر، متاع دست گرداں ہے
 غم آغوشِ بلا میں پرورش دیتا ہے، عاشق کو
 چراغ روشن اپنا، قلم صرصر کا مریاں ہے

خموشیوں میں، تماشا ادا نکلتی ہے
 نگاہ، دل سے ترے، سرمہ سا نکلتی ہے

فشار مہنگی خلوت سے بنتی ہے شبنم
 صبا جو غنچے کے پردے میں جا نکلتی ہے
 نہ پوچھ سینہ عاشق سے اب تیغ نگاہ
 کہ زخمِ روزنِ در سے ہوا نکلتی ہے

--

جس جا نسیم کش زلفِ یار ہے
 نافہ، دماغِ آنہوں دشتِ تار ہے
 بکس کا سراغ جلوہ ہے حیرت کو؟ اے خدا!
 آئینہ فریش شیشِ جہتِ انتظار ہے
 ہے ذرہ ذرہ مہنگی جا سے غبارِ شوق
 گردِ ام یہ ہے، وسعتِ صحرَا شکار ہے
 دل مدعی و دیدہ بنا مدعا علیہ
 نکلے کا مقدمہ پھر رو بہکار ہے
 چھڑکے ہے شبنم آئینہ برگِ گل پر آب
 اے عندلیب، وقتِ وداع بیدار ہے

سچ آ پڑی ہے وعدہ دہار کی مجھے
 وہ آئے یا نہ آئے' پہ پاں انتظار ہے
 بے پردہ سوے ولوی مجنوں گزر نہ کر
 ہر ذرہ کے نقاب میں دل بے قرار ہے
 اے عندریب! یک کعب خس بہر آشیاں
 طوفان آمد آمد فصل بہار ہے
 دل مت گنوا' خبر نہ سنی' میر ہی سنی
 اے بے دماغ! آئندہ تمثال دار ہے
 غفلت کفیل عمر و اسد ضامن نشاط
 اے مرگ ناگہاں! تجھے کیا انتظار ہے

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے
 ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے
 حسرت نے لار کھا' تری بزم خیال میں
 گلدستے نگاہ' سویدا کہیں جسے

پھونکا ہے کس نے گوشِ محبت میں اے خدا!
 افسوں انتظارِ تمنا کہیں جسے
 سر پر ہجومِ دردِ غریبی سے ڈالے
 وہ ایک مُشتِ خاک کہ صغرا کہیں جسے
 ہے چشمِ تر میں حسرتِ دیدار سے نہال
 شوقِ عنال گیتِ دریا کہیں جسے
 درکار ہے شگفتنِ گھمے بیش کو
 صبحِ بہارِ پُچھ مینا کہیں جسے
 غالب! بُرا نہ مان جو واعظِ بُرا کہے
 ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے؟



شبنم بہ گلِ لالہ نہ خالی ز ادا ہے
 داغِ دل بہ دردِ نظرِ گاہِ حیا ہے
 دلِ خوں شدہ کشِ محسوسِ حسرتِ دیدار
 آئینہ بدستِ بدستِ حنا ہے

شعلہ سے نہ ہوتی، ہوسِ شعلہ نے جو کی
 جی کس قدر افسردگی پہ جلا ہے؟
 تمثال میں تیری ہے، وہ شوئی کہ 'بصد ذوق
 آئینہ' بہ اندازِ گل، آغوشِ سُنا ہے
 قمری کتبِ خاکسترو بلبَلِ قفسِ رنگ
 اب مالہ، نشانِ جگر سوخت کیا ہے؟
 تُو نے تری افسردہ کیا، وحشتِ دل کو
 معشوقی دے ہو وصلگی، طُرفِ بلا ہے
 مجبوری و دعوائے گرفتاری الفت
 دستِ تر سبک آمد، بیانِ وفا ہے
 معلوم ہوا حالِ شہیدانِ گزشتہ
 تبغِ ستم، آئینہ تصویرِ سُنا ہے
 اے پر تو تحریدِ جہانِ تاب! اوھر بھی
 سایہ کی طرح ہم پہ عجب وقت پڑا ہے

نا کردہ گناہوں کی بھی حسرت کی طے دلو
 یدب! اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے
 ہیکھاگی خلق سے بیدل نہ ہو، غالب!
 کوئی نہیں تیرا تو مری جان! خدا ہے

منظور تھی یہ شکل، تجلی کو نور کی
 قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی
 اک خونچکاں کفن میں کروڑوں بناؤ ہیں
 پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حور کی
 واعظ! نہ تم ہیو، نہ کسی کو پلا سکو
 کیا بات ہے تمہاری شرابِ طہور کی!
 لڑتا ہے مجھ سے حشر میں قاتل کہ کیوں اٹھا
 گویا ابھی سننی نہیں آوازِ صُور کی
 آمد بھد کی ہے، جو ببل ہے نغمہِ سنخ
 اُڑتی سی اک خبر ہے زبانیِ طہور کی

گووں نہیں پہواں کے نکالے ہوئے تو ہیں
 کعبہ سے ان ہتوں کو بھی نسبت ہے دور کی
 کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب !
 کو نہ ہم بھی میر کریں کوہ طور کی
 گرمی سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر
 کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی
 غالب اگر اس سفر میں مجھے ساتھ لے چلیں
 حج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی

غم کھانے میں یو دا دل ناکام بہت ہے
 یہ رنج کہ کم ہے مے گلغام بہت ہے
 کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے اور نہ
 ہے یوں کہ مجھے دُردِ بڑ جام بہت ہے
 نے تیر کہاں میں ہے نہ صیاد کہیں میں
 گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے

کیا زہد کو مانوں کہ نہ ہو گرچہ ریائی
 پاداشِ عمل کی طمعِ خام بہت ہے
 میں اہلِ خرد کس روشِ خاص پہ نازاں؟
 پابندیِ رسم و رو عام بہت ہے
 زمر ہی پہ چھوڑو مجھے کیا طوفِ حرم سے
 آلودہ ہے مے جامۂ احرام بہت ہے
 ہے قہرِ گراب بھی نہ نئے بات کہ اُن کو
 انکار نہیں اور مجھے ابرام بہت ہے
 خون ہو کے جگر آنکھ سے پکا نہیں لے مرگ!
 رہنے دے مجھے یاں کہ ابھی کام بہت ہے
 ہو گا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے
 شاعر تو وہ اچھا ہے پر بدنام بہت ہے

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کیے ہوئے
 جوشِ قدح سے بزمِ چراغاں کیے ہوئے

کرتا ہوں جمع پھر جمع لخت لخت کو
 عرصہ ہوا ہے دعوتِ مژگاں کیے ہوئے
 پھر وضعِ احتیاط سے رکنے لگا ہے دم
 برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کیے ہوئے
 پھر گرم نالہ ہائے شرر بار ہے نفس
 مدت ہوئی ہے سیر چراغاں کیے ہوئے
 پھر ہندو شہ جراحِ دل کو چلا ہے عشق
 سامانِ صدف ہزار نمکدیاں کیے ہوئے
 پھر بھر رہا ہوں خانہ مژگاں تنوں دل
 سازِ تہمن طرازیِ دہاں کیے ہوئے
 باہم دگر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب
 نظارہ و خیال کا سامان کیے ہوئے
 دل پھر طوافِ کوئے ملامت کو جائے ہے
 پندار کا صنم کدہ دیراں کیے ہوئے
 پھر شوق کر رہا ہے خریدار کی طلب
 عرض متاعِ عقل و دل و جاں کیے ہوئے

دوڑے ہے پھر ہر ایک گل و لالہ پر خیال
 صد گلستاں نگاہ کا سماں کیے ہوئے
 پھر چاہتا ہوں 'نامہ' دلدار کھولنا
 جاں 'نذر دل' فرستی عنوان کیے ہوئے
 مانگے ہے پھر کسی کو لب بام پر ہوس
 زلفِ سیاہ 'رخ' پہ پریشاں کیے ہوئے
 چاہے ہے پھر 'کسی' کو مقابل میں گرزو
 سرمہ سے تیز دھند مڑگاں کیے ہوئے
 اک نو بہار باز کو تاکے ہے پھر 'نگاہ'
 چہرہ فروغ سے گلستاں کیے ہوئے
 پھر جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں
 سر زہر بار منت دریاں کیے ہوئے
 جی 'دھونڈ'تا ہے پھر بڑی فرصت کہ زلت دن
 بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیے ہوئے
 غالب! ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوشِ اشک سے
 بیٹھے ہیں ہم تہیہ طوفاں کیے ہوئے

نوید امن ہے، بیدار دوست جاں کے لیے
 رہی نہ طرزِ ستم کوئی آسماں کے لیے
 بلا سے، گر مژدہ یار تھیں خوں ہے
 رکھوں کچھ اپنی بھی مڑگان خوں فشاں کے لیے
 وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں روشناسِ خلق اے خضر!
 نہ تم کہ، چور بنے عمر جاوواں کے لیے
 رہا بلا میں بھی میں جتلاے گفتِ رشک
 بلاے جاں ہے ادا تیری اک جہاں کے لیے
 فلک! نہ دور رکھ اس سے مجھے کہ میں ہی نہیں
 دراز دستی قاتل کے امتحاں کے لیے
 مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ امیر
 کرے قفس میں فراہم خسِ آشیاں کے لیے
 گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئی
 اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لیے

بقدر شوق نہیں ظرفِ صحنہاں غزل
 کچھ اور چاہیے وسعتِ مرے یہاں کے لیے
 دیا ہے خلق کو بھی 'تا اسے نظر نہ لگے
 بنا ہے عیشِ تجملِ حسینِ خاں کے لیے
 زباں پہ بارِ خدایا! یہ کس کا نام آیا؟
 کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے
 نصیرِ دولت و دیں اور مُصنِعِ ملت و ملک
 بنا ہے چرخِ بریں جس کے آستان کے لیے
 زمانہِ عہد میں اس کے ہے محو آرائش
 نہیں گئے اور ستارے اب آسمان کے لیے
 ورقِ تمام ہوا اور مدحِ باقی ہے
 سفینہ چاہیے اس بحرِ فیکراں کے لیے
 لواے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا
 صباے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے!



قصیدہ اول (منقبت میں)

سازیک ذرہ 'نمیں فیض چمن سے بیکار
سایہ لالہ بیدارغ' سویدائے بیدار
مستی باوصبا سے 'ہے بہ عرض سبزہ
ریزہ شیشہ سے 'جوہر تیغ کہسار
بزر ہے 'جام زمرہ کی طرح' دلغ پلنگ
تازہ ہے 'رہبر ہمارے' صفت روئے شرار
مستی ار سے 'تجربہ طرب ہے' حسرت
کہ اس آغوش میں ممکن ہے دو عالم کا فشار
کوہ و صحرا ہمہ معموری شوقِ بلبل
راہِ خوابیدہ ہوئی خندہ گل سے بیدار
سوئے ہے فیض ہوا صورتِ مرثگانِ یتیم
سرِ نوشت دو جہاں لر 'بیک سطر غبار
کات کر کچھ بھیجے ناخن' توجہ انداز ہلال
قوتِ نامیہ اس کو بھی نہ چھوڑے بیکار

کف ہر خاک پہ گردوں شدہ 'قمری پرواز
 دام ہر کھنڈ آتش زدہ 'طاؤس شکار
 میکدے میں ہو 'اگر آرزوے گل چینی
 بھول جا' یک قدح بادہ پہ طاق گلزار
 موج گل ڈھونڈھ مٹاؤ مکدہ غنچہ باغ
 گم کرے گوشہ میخانہ میں گر تو دستار
 ٹھنچے گرمی اندیشہ 'چمن کی تصویر
 سبز مثل خطِ نوخیز' ہو خطِ پرکار
 لعل سی کی ہے 'پے زمزمہ مدحت شاہ
 طوطی سبزہ کہسار نے پیدا منقار
 وہ شہنشاہ کہ 'جس کی پے تعمیر سرا
 چشم جبریل ہوئی قالبِ خشتِ دیوار
 فلک العرش 'ہجومِ خمِ دوش مزدور
 روئے فیض ازل 'سازِ طائب معمار
 سبزہ نہ چمن ویک خطِ پٹت لبِ بام
 رفعتِ ہمت صد عارف ویک لوحِ حصار

واں خاشاک سے حاصل ہو جسے یک پرکاہ
 وہ رہے مروحہ بال پری سے ہزار
 خاک عہدِ انجمن 'نجف' جویر سیر عرفاء
 چشم نقش قدم 'آئینہ' دشت بیدار
 زرہ اس گرد کا 'خرشید' کو آئینہ ناز
 گرد اس دشت کی 'امید' کو 'احرام' بیدار
 آفرینش کو ہے واں سے طلبِ مستی ناز
 عرض خمیازہ ایجاہ ہے 'ہر موج' غبار

مطلع ثانی

فیض سے تیرے ہے 'آب' شمعِ شہستان بیدار!
 دل پروانہ چرائیاں 'پر' بلبل گلزار
 شکل طاووس کرے آئینہ خانہ پرواز
 ذوق میں جلوے کے تیرے بہوے دیدار
 تیری لولہ کے 'نغم' سے ہے دروے گردوں
 سلکِ اختر میں مہ 'نو' ہوا گوہر ہار

ہم عبادت کو 'ترانقش قدم' مر نماز
 ہم ریاضت کو 'ترے حوصلے سے استظہار
 مدح میں تیری نماں' زمزمہ نعتِ نبی
 جام سے تیرے عیاں' بادۂ جوشِ اسرار
 جوہر دستِ دعا آئینہ' یعنی تاثیر
 یک طرفہ نازشِ مرگان و دگر سو غم خار
 مردک سے ہو عز خانہ اقبال نگاہ
 خاکِ در کی ترے' جو چشم نہ ہو آئینہ دار
 دشمنِ آلِ نبی کو' بہ طرب خانہ دہر
 عرشِ خمیازہ سیلاب ہو' طاقِ دیوار
 دیدہ تا دل اسد آئینہ یک پر تو شوق
 فیض معنی سے' خطِ ساغرِ راقم سرشار
 قصیدہ دوم

(منقبت میں)

دہر' جز جلوۂ یکتائی معشوق ضیئیں
 ہم کہاں ہوتے' اگر کُسن نہ ہو تا خود نکس

ہدیٰ ہے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق
 تجھسی ہے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں
 ہرزہ ہے نغمہ زبردہم ہستی و عدم
 لغو ہے کیسے فرق جنوں و تمکین
 نقشِ معنی ہمہ عرش صورت
 سخنِ حق ہمہ پیادہ ذوقِ تمکین
 لافِ دانش غلط و تقعِ عبادت معلوم!
 دردِ یک ساغرِ غفلت ہے چہ دنیا و چہ دیں
 مثلِ مضمونِ وفا، باد بہ دستِ تسلیم
 صورتِ نقشِ قدم، خاک بہ فرقِ تمکین
 عشق، بے رکبلی شیرازہ اجزائے حواس
 وصل، زنگارِ رخ آئینہ حسنِ یقیں
 کو، بکن، مگر سنہ مزدورِ طرب گاہِ رقیب
 بے ستوں آئینہ خوبِ گراں شریں
 کس نے دیکھا، نفسِ اہلِ وفا آتشِ خیز؟
 کس نے پایا، اثرِ نالہِ دلِ ہائے حزیں؟

سامع زمزمہ اہل جہاں ہوں، لیکن
 نہ سرو برگ ستائش نہ دماغ نفیریں
 کس قدر ہرزہ سراہوں کہ 'عیاذ باللہ!
 یک قلم خارج آداب و قدر و تقصیریں
 نقش لاجول، لکھ' اے خاتمہ ہذیال تحریر!
 "یا علی" عرض کر کے فطرت و سواس قرین!
 مظہر فیض خدا، جان و دل ختم رسل
 قبلہ آل نبی، کعبہ ایجاد یقین
 ہو، وہ سرمایہ ایجاد، جہاں گرم خرام
 ہر کعبہ خاک، ہے والں گرد و تصویر زمیں
 جلوہ پرداز ہو نقش قدم اس کا جس جا
 وہ کعبہ خاک ہے ناموس و دو عالم کی امیں
 نسبت نام سے اس کی ہے یہ رتبہ کہ رہے
 لدائش فلک، خم شدہ ناز زمیں
 فیض خلق اس کا ہی شامل ہے کہ ہوتا ہے سدا
 بوے گل سے نفس باد صبا عطر آئیں

بُرشِ تنق کا اُس کی ہے جہاں میں چرچا
 قطع ہو جائے نہ سر رشتہ ایجاو کہیں
 کفر سوز اُس کا وہ جلوہ ہے کہ جس سے ٹوٹے
 رنگِ عاشق کی طرح رونقِ شکار چھیں
 جاں پناہ! دل و جاں فیضِ رساں! شاہا!
 وصیِ ختمِ رسل تو ہے پہ فتوایِ یقیں
 جسمِ اطہر کو ترے 'دو شہِ جہیمہ' منبر
 نامِ نامی کو ترے 'باصیہ' عرشِ جنیں
 کس سے ممکن ہے تری مدح بغیرِ اذواجب؟
 شعلہ شمع مگر شمع پہ باندھے آئیں
 آستان پر ہے ترے جوہرِ آئینہ سنگ
 رقمِ بندگی حضرتِ جبریل امیں
 تیرے در کے لیے اسبابِ شہِ آماوہ
 خاکوں کو جو خدا نے دیے جان و دل و دیں
 تیری مدحت کے لیے ہیں دل و جاں کا سونہاں
 تیری تسلیم کو ہیں کوج و قلم و دست و جبین

کس سے ہو سکتی ہے مداحی ممدوح خدا؟
 کس سے ہو سکتی ہے کریشِ فردوسِ بریں
 جس بازارِ معاصیٰ اسد اللہ اسد
 کہ سوا تیرے کوئی اس کا خریدار نہیں
 شوقِ عرضِ مطالب میں ہے گستاخِ طلب
 ہے ترے حوصلہ فضل پر ازہس کہ یقین
 دے دعا کو مری وہ مرجہِ حسن قبول
 کہ اجالت کے ہر حرف پہ سوار "میں"
 غمِ شبیر سے ہو سینہ یہاں تک لبریز
 کہ رہیں خونِ جگر سے مری آنکھیں رنگیں
 طبع کو الفتِ دُلّال میں یہ سرگرمِ شوق
 کہ جہاں تک چلے اس سے قدم اور مجھ سے جہیں
 دل الفتِ نسب و سید توحیدِ فضا
 نگہ جلوہ پرست و نفسِ صدق گزیر
 صرف اعدا اثرِ شعلہ دودِ دوزخ
 وقفِ احبابِ گل و سہلِ فردوسِ بریں

قصیدہ سوم (شاہ قفرت کی مدح میں)

ہاں! میرے! سنیں ہم اس کا نام جس کو تو تھک کے کر رہا ہے سلام
 دو دن آیا ہے تو نظر دم صبح یہی انداز اور یہی اندام
 بادے دو دن کہاں رہا غائب؟ بندہ عاجز ہے، گردشِ ایم
 لڑ کے جاتا کہاں کہ تاروں کا آہن نے پٹھیا رکھا تھا دام
 مر جہاں! اے سرورِ خاص خواص! جہذاں! اے نشاطِ عام عوام!
 عذر میں تین دن نہ آنے کے لے کے آیا ہے عید کا پیغام
 اس کو بھولا نہ چاہیے کہنا صبح جو جائے اور آئے شام
 ایک میں کیا کہ سب نے جان لیا تیرا کھنڈ اور ترا انجام
 راز دل مجھ سے کیوں چھپاتا ہے مجھ کو سمجھا ہے کیا کہیں مہم؟
 جانتا ہوں کہ، گنج دنیا میں ایک ہی ہے امید گواہ نام
 میں نے مانا کہ تو ہے حلقہٴ بخش غالب اس کا مگر ہمیں ہے غلام؟
 جانتا ہوں کہ، جانتا ہے تو تب کہا ہے بطرزِ استقسام
 مر تنہاں کو ہو تو ہو! اے ماو قریب ہر روزہ برسمیلِ دوام
 تجھ کو کیا پایہ روشناسی کا جنبہٴ تقریب عیدِ ماو صیام
 جانتا ہوں کہ اس کے فیض سے تو پھر بنا چاہتا ہے ماو تمام

ماہو بن' مابتاب بن' میں کون! مجھ کو کیا بات دیکھا تو انعام
 میرا اپنا جدا معاملہ ہے اور کے لین دین سے کیا کام
 ہے مجھے آرزوے شخص خاص گر تجھے ہے امید رحمت مام
 جو کہ طے گا تجھ کو کر فروغ کیا نہ دیکھا مجھے سے گلفام!
 جب کہ چودہ منازل فلکی کر چکے قطع تیری تیزی گام
 تیرے پر تو سے ہوں فروغ پذیر کوے و مشکوک و صحن و منظر و ہام
 دیکھنا میرے ہاتھ میں لبریز اپنی صورت کا اک بلوریں جام
 پھر غزل کی روش پہ چل نکلا تو سن طبع چلتا تھا لکام
 غزل

زہرِ غم کر چکا تھا میرا کام تجھ کو کس نے کہا کہ ہو بدنام
 سے ہی پھر کیوں نہ میں پیہ جاؤں غم سے جب ہو گئی ہو زیست حرام
 ہوسہ کیسا' یہی نغیمت ہے کہ نہ سمجھیں وہ لذتِ دشنام
 کبھے میں جا' بھائیگے ناتوس اب تو باندھا ہے ویر میں احرام
 اس قدح کا ہے دور مجھ کو نقد چرخ نے لی ہے جس سے گردشِ ہام
 ہوسہ دینے میں ان کو ہے انکار دل کے لینے میں جن کو تھا لہرام
 چھیڑتا ہوں کہ ان کو غصہ آئے کیوں رکھوں ورنہ غالب اپنا نام؟

کہہ چکا میں تو سب کچھ اب تو کہہ
 کون ہے جس کے در پہ نامیدہ سا
 تو نہیں جانتا تو مجھ سے سن
 قبلہ چشم و دل بہادر شاہ
 شمسوار طرہ انصاف
 جس کا ہر فعل صورتِ اعجاز
 بزم میں میزبان قیصر و جم
 اے ترا لطف زندگی افزا
 چشم بددور! خسروانہ شکوہ
 جاں نثاروں میں تیرے قیصر روم
 وارث ملک جانتے ہیں تجھے
 زور بازو میں مانتے ہیں تجھے
 مرجا! موٹا گلابی ہلکا!
 تیر کو تیرے تیر غیر ہدف
 اے پری چہرہ ایک چیز حرام!
 ہیں مہ و سرود زہرہ و بہرام
 نام شہنشاہ بلند مقام
 منظر ذوالجلال والا کرام
 نو بہار حدیث اسلام
 جس کا ہر قول معنی الہام
 رزم میں لوستار رستم و سام
 اے ترا عہد فرخی فرجام
 لوحش اللہ! عارفانہ کلام
 نجرۂ خواروں میں تیرے مرشد جام
 ایرج و تور و خسرو و بہرام
 گیو گوردز و بیون و بہام
 آفریں! آب دلری مصمام!
 تیغ کو تیری تیغ خصم نیام

ق

رعد کا کر رہی ہے کیا دم بند
 تیرے فیل گراں جسد کی صدا
 برق کو دے رہا ہے کیا الزام
 تیرے رخسار سبک عنایاں کا خرام

فنِ صورتگری میں تیرا گرز گر نہ رکھتا ہو دستِ بگو تمام
 اس کے مضروب کے سروتن سے کیوں نہیں ہاں ہو صورتِ لوہام
 جب ازل میں رقم پذیر ہوئے صفحہ ہائے لیلیٰ و لیم
 اور ان لہرِ ق میں بہ کلک قضا مجملِ مندرج ہوئے احکام
 لکھ دیا شاہدوں کو عاشق کش لکھ دیا عاشقوں کو دشمن کام
 آہل کو کما گیا کہ کہیں کدبہ تیز گرد نیلی خام
 حرمِ باطل لکھا گیا کہ لکھیں خال کو دن اور زلف کو دام
 آتش و آب و باد و خاک نے لی وضع سوزنم و رم و آرام
 مہرِ رخشاں کا نام خسرو روز باد تباہ کا اسم شمعِ شام
 تیری توقعِ سلطنت کو بھی دی بدستور صورتِ لرقام
 کاسبِ حکم نے بموجب حکم اس رقم کو دیا طرازِ دوام
 ہے ازل سے روئیِ آغاز ہو ابد تک رسائیِ انجام
 قصیدِ چہارم

صبح دم دروازہ خاور کھلا مہرِ مالتاب کا منظر شمع
 خسرو انجم کے آیا صرف میں شب کو تھا گنجینہ گوہر کھلا

وہ بھی تھی اک سیما کی سی نمود صبح کو رازِ مہ و اختر کھلا
 ہیں گواہ کچھ 'نظر آتے ہیں کچھ دیتے ہیں دھوکا یہ بازگیر کھلا
 سطح گردوں پر پڑا تحارات کو موتیوں کا ہر طرف زیور کھلا
 صبح آیا جانبِ مشرق نظر اک ہمار آفتیشِ رخ سر کھلا
 تھی نظر بندی کیا جب وہ سحر بادِ گلرنگ کا ساغر کھلا
 لاکے ساقی نے صبوحی کے لیے رکھ دیا ہے ایک جام زر کھلا
 بزمِ سلطانی ہوئی آراستہ کعبہ امن و امن کا در کھلا
 تاجِ زرین 'مرتباں سے سوا خسرو آفاق کے منہ پر کھلا
 شاہِ روشن دل بہادر شاہ کہ ہے رازِ ہستی اس پہ سرتا سر کھلا
 وہ کہ جس کی صورتِ نگون میں مقصد نہ چرخ و ہفت اختر کھلا
 وہ کہ جس کے ناخنِ بدیل سے غدوہ احکام پیغمبر کھلا
 پہلے دارا کا نکل آیا ہے نام اس کے سر ہنگوں کا جب دفتر کھلا
 روشناسوں کی جہاں فرست ہے وہاں لکھا ہے چہرہ قیصر کھلا
 قطعہ

تو سن شاہ میں وہ خوبی ہے کہ جب تھان سے وہ غیرتِ صرصر کھلا
 نقشِ پاکی صورتیں وہ دلفریب تو کئے 'مختارِ آزر کھلا

مجھ پہ فیضِ تربیت سے شاو کے
لاکھ عقدِ دل میں تھے لیکن ہر ایک
تھا دل وابستہ قفلِ بے کلید
باغِ معنی کی دکھاؤنگا بہار
ہو جسں گرمِ غزلِ خوافی نفس
لوگ جانیں طبلۂ غنجر کھلا
غزل

کنج میں بیٹھا رہوں یوں پر کھلا
ہم پکاریں اور کھلے یوں کون جائے؟
ہم کو ہے اس رازداری پر غمخیز
واقعی دل پر بھلا لگتا تھا دلغ
ہاتھ سے رکھ دی کب مرو نے کہاں!
مفت کا کس کو برا ہے بدرقہ!
سوزِ دل کا کیا کرے بارانِ اشک!
نامے کے ساتھ آگیا پیغامِ مرگ
دیکھو 'غالب' سے گر ابھیا کوئی!
پھر 'ہوا بدعت طرازی کا خیال
کاش کہ ہوتا نفس کا در کھلا
یار کا دروازہ پاکیں گر کھلا
دوست کا ہے راز دشمن پر کھلا
زخم لیکن دلغ سے بہتر کھلا
کب کمر سے غمزے کی ٹخجر کھلا
رہروی میں پردہ رہبر کھلا
آگ بھڑکی مینہ اگر دم بھر کھلا
رو گیا خط میری چھاتی پر کھلا
ہے ولی پوشیدہ 'اور کافر کھلا
پھر مد و خرشید کا دفتر کھلا

خامہ سے پائی طبیعت نے 'مرد
 مدح سے مدوح کی دیکھی شکوہ
 مر کانپا' چرخ چکر کھا گیا
 بدش کا رشتہ لنگر کھلا
 بدش کا نام لیتا ہے خطیب
 اب علو پلے منبر کھلا
 سحر شہ کا ہوا ہے روشناس
 اب عیار گردے زر کھلا
 شاہ کے آگے دھرا ہے آئینہ
 اب آل سہی اسکندر کھلا
 ملک کے وارث کو دیکھا خلق نے
 اب فریب طغرل و سنجر کھلا
 ہو سکے کیا مدح' ہاں اک نام ہے
 دفتر مدح جہاں دلور کھلا
 فکر اچھی' پرستائش ناتمام
 بحر اعجاز ستائش گر کھلا
 جانتا ہوں' ہے خط لوح ازل
 تم پہ اسے خاقان نام تور! کھلا
 تم کرو صاحب قرانی' جب تلک
 ہے طلسم روز و شب کا در کھلا
 مثنوی (اموں کی تعریف میں)

ہاں دل درد مند زمزمہ ساز
 کیوں نہ کھولے در خیزہ راز!
 خامہ کا صفحہ پر رواں ہونا
 شاخ گل کا ہے گلنشاں ہونا
 مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا لکھیے؟
 نکتہ ہائے خرو فرا لکھیے

بارہ آموں کا کچھ بیاں ہو جائے خام اٹھل رطب فشاں ہو جائے
 آم کا کون مرد میدوں ہے؟ شرو شاخ، گوہ چوگاں ہے
 تاک کے جی میں کیوں رہے لہاں! آئے یہ گوہ لور یہ میدوں
 آم کے آگے پیش جلاہ خاک پھوڑتا ہے جٹے پچھولے تاک
 نہ چلا جب کسی طرح مقدور بلاؤ ناب بن گیا انگور
 یہ بھی ناچار جی کا کھوتا ہے شرم سے پانی پانی ہوتا ہے
 مجھ سے پوچھو تمہیں خبر کیا ہے! آم کے آگے فیض کر کیا ہے
 نہ گل اس میں نہ شاخ و برگ نہ بار جب خزل آئے تب ہواں کی بہار
 لور دوڑائیے قیاس کہاں! جان شریں میں یہ مٹھاس کہاں!

جان میں ہوتی گر یہ شریں کو بہن بلجود غمگینی
 جان دینے میں اس کو یکتا جان پرو یوں سل دے نہ سکتا جان
 نظر آتا ہے یوں مجھے یہ شرم کہ دوا خانہ ازل میں مگر
 آتش گل پہ قدم کا ہے قوام شیرے کے تار کا ہے ریشہ نام
 چاہیے ہو گا کہ فرطِ رافت سے باغبانوں نے بارغ جنت سے
 انہیں کے محکم رب الناس بھر کے بچے ہیں سر مہر گلاس

یا لگا کر خضر نے شاخ نبات
 تب ہوا ہے شرفشاں یہ نخل
 ہم کہیں ورنہ 'لور کہیں یہ نخل
 رنگ کا زرد' پر کہیں یہ ہاں
 پھینک دیتا طلاے دست افشاں
 اگر اک بار
 رشتی کارگاہِ برگ و نوا
 رہرو راہِ خلد کا توشہ
 صاحب شاخِ برگ و باد ہے ہم
 خاص وہ آم جو نہ ارزاں ہو
 وہ کہ ہے والی ولایتِ محمد
 غر دین 'غرشان و جاوِ جلال
 کار فرماے دین و دولت و منت
 سایہ اس کا' ہما کا سایہ ہے
 اس منیض وجودِ سایہ و نور
 اس خلدِ بندہ پرور کو
 شاو و دشاو و شدماں رکھیو
 لور غالب پہ مریاں رکھیو



اے شمنشاؤ فلک منظر بے مثل و نظیر!
 اے جہاندار کرم شیوہ دے شب و عدیل!
 پاؤ سے تیرے طے فرق اراوت اورنگ
 فرق سے تیرے کرے کسب سعادت اکیل
 تیرا اندازِ سخن 'شاعر' زلفِ اہام
 تیری رفتارِ قلم 'جہنم' بالِ جبریل
 تجھ سے عالم پہ کھلا 'رابطہ' قربِ کلیم
 تجھ سے دنیا میں بچھا مائدۂ بذلِ خلیل
 پہ سخن 'لوحِ دو مرتبہ' معنی و لفظ
 پہ کرم داغِ نہ ناصیہ قلزم و نیل
 ہاترے وقت میں ہو عیش و طرب کی توفیر
 ہاترے عہد میں ہو رنج و الم کی تقلیل
 ماہ نے چھوڑ دیا ثور سے جانا باہر
 زہرہ نے ترک کیا حوت سے کرنا تحویل
 تیری دانش 'مری اصلاحِ مفاسد کی رہین

تیری بخشش، مری انجام مقاصد کی کفیل
 تیرا اقبال ترجم، مرے جینے کی نویہ
 تیرا انداز تغافل، مرے مرنے کی دلیل
 خستِ ناساز نے چاہا کہ نہ دے مجھ کو اماں
 چرخِ کج باز نے چاہا کہ کرے مجھ کو ذلیل
 پیچھے ڈالی ہے سرِ رشتہ اوقات میں گانچ
 پہلے ٹھوکنی ہے بنِ ناخنِ تمیر میں کیل
 پیشِ دل، نہیں ہے رابطہ خوفِ عظیم
 بخشِ دم، نہیں ہے ضابطہ جرِ ثقیل
 درِ معنی سے مرا صفحہ، لقا کی داڑھی
 غمِ گیتی سے مرا سینہ، عمر کی زنجیل
 فکرِ میری، گھرِ اندوز اشاراتِ کثیر
 کلمکِ میری، رقمِ آموز عباراتِ قبیل
 میرے ایہام پہ ہوتی ہے تصدیق، توضیح
 میرے اجمال سے کرتی ہے تراوش، تفصیل

نیک ہوتی مری حالت ' تو نہ دیتا تکلف
جمع ہوتی مری خاطر تو نہ کرتا تعجیل
قبلہ کون و مکمل! خستہ نولزی میں یہ دیر!
کعبہ امن و امان! عقدہ کشائی میں یہ ڈھیل!
قطعہ

مجھے وہ دن کہ باداشتہ غیروں کی وفاداری
کیا کرتے تھے تم تقریر ' ہم خاموش رہتے تھے
بس اب جھوٹے پیاشر مندگی ' جانے دو ' مل جاؤ
قسم لو ہم سے مگر یہ بھی کیس کیوں ہم نہ کہتے تھے؟
قطعہ

کھلتے کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں!
اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہاے ہاے!
وہ بہرہ زار ہاے مطرا کہ ہے غضب
وہ ناز میں بتان خود آرا کہ ہاے ہاے
صبر آزما وہ اُن کی نگاہیں کہ حنف نظر!
طاقت ربا وہ اُن کا اشارہ کہ ہاے ہاے

وہ میوہ ہے تازہ شیریں کہ واہ واہ
وہ بلاہ ہے ناب گورا کہ ہے ہے !

درمدح ڈلی

ہے جو صاحب کے کتب دست پہ یہ چکنی ڈلی
زیب دیتا ہے ' اسے جس قدر اچھا کہیے
خامہ انگشت بدنداں کے ' اسے کیا لکھیے !
باطلق سر پہ گرہاں کے ' اسے کیا کہیے !
مہر مکتوب عزیزان کرامی لکھیے
حزن بازو شکر خان خود آرا لکھیے
مسی آلودہ انگشت حسناں لکھیے
داغ طرف جگر عاشق شیدا لکھیے
خاتم دست سلیمان کے مشابہ لکھیے
سرپستان پر پڑاؤ سے مانا لکھیے
اختر سوئے قیس سے نسبت دیجیے
خال مشکینہ رخ و لکشب ایلا لکھیے
خز الاسود دیوار حرم کیجیے فرمیں
نافہ آہوے بیابان نقش کا لکھیے

وضع میں اس کو اگر کچھے قاف تریاق
 رنگ می ہنرۂ نوخیز مسیحا کہیے
 صومع میں اتے ٹھہرائیے گر مہر نماز
 ٹیکہ میں اتے ٹھٹھٹ خم صہبا کہیے
 کیوں اتے قفل در کنج محبت لکھیے؟
 کیوں اتے نقطہ ہرکار تمنا کہیے؟
 کیوں اتے گوہر نایاب تصور کیجئے؟
 کیوں اتے مرد مک ویدۂ عشقا کہیے؟
 کیوں اتے حکمہ پیراہن لیل لکھیے؟
 کیوں اتے نقشب پے ناقد سلما کہیے
 بندہ پرور کے کف دست کو دل کیجئے فرض
 نور اس چکنی سپاری کو سویدا کہیے
 قطعہ

نہ پوچھے اس کی حقیقت، حضور والا ہے
 مجھے جو پہنچی ہے نرس کی روغنی روٹی
 نہ کھاتے گیہوں، نکلتے نہ غلہ سے پام
 جو کھاتے حضرت قوم یہ بیسنی روٹی

☆☆☆

منظور ہے گزارش احوال واقعی
 اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے
 سو پشت سے ہے پوشہ آبا سپہ گری
 کچھ شاعری 'ذریعہ عزت' نہیں مجھے
 آزلوہ رو ہوں 'لور مرا مسلک' ہے صلح کل
 ہر گز کبھی کسی سے عدالت نہیں مجھے
 کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں
 مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہیں مجھے
 استاد شد سے ہو مجھے پر خاش کا خیال
 یہ تاب 'یہ مجال' یہ طاقت نہیں مجھے
 جامِ جہاں نما ہے شہنشاہ کا نصیر
 سو گند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے
 میں کون 'لور ریختہ' ہاں اس سے مدعا
 جز انبساطِ خاطر حضرت نہیں مجھے

سرا لکھا گیا زرہِ افتخار امر
 دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہیں مجھے
 مقطع میں آپڑی ہے 'خن گسترانہ بات
 مقصود اس سے 'قطعِ محبت نہیں مجھے
 روئے خن کسی کی طرف ہو 'تو رو سیاہ
 سودا نہیں 'جنوں نہیں وحشت نہیں مجھے
 قسمت بری سنی 'پہ طبیعت بری نہیں
 ہے شکر کی جگہ کہ 'شکایت نہیں مجھے
 صادق ہوں اپنے قول میں غالبِ خدا گواہ
 کتا ہوں بچ کہ 'بھوٹ کی عادت نہیں مجھے

مدح

نصرٹ الملک بہادر! مجھے بتلا کہ مجھے
 تجھ سے جو اتنی لڑات ہے 'تو کس بات سے ہے؟
 گرچہ تو وہ ہے کہ ہنگامہ اگر گرم کرے
 رونقِ بزمِ مد و مر تری ذات سے ہے

اور میں وہ ہوں کہ گرجی میں کبھی غور کروں
 غیر کیا خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہے
 فحشگی کا ہو بھلا جس کے سبب سے ہر دست
 نسبت اک گونہ مرے دل کو ترہات سے ہے
 ہاتھ میں تیرے رہے تو سن دولت کی جہاں!
 یہ دعا شام و سحر قاضی حاجات سے ہے
 تو سکندر ہے مرا فخر ہے ملنا تیرا
 گو شرف خضر کی بھی مجھ کو ملاقات سے ہے
 اس پہ گزرے نہ ٹھماں ریوڑیا کا زہرا
 غالب خاک نشیں اہل خرابات سے ہے

ہے چار شنبہ آخر ماہ صفر چلو
 رکھ دیں چمن میں بھر کے بے ٹھک کی ماند
 جو آئے جام بھر کے پیے اور ہو کے مست
 بزرے کو روند تا پھرے پھولوں کو جائے پھاند

بختے ہیں سونے روپے کے ہتھکے حضور میں
 ہے جن کے آگے سیم و زر مرو ماہ ماند
 یوں سمجھیے کہ سچ سے خالی کیے ہوئے
 لاکھوں ہی آفتاب ہیں اور بے شمار چاند
 غالب! یہ کیا بیاں ہے 'بجز مدح بادشاہ
 بھاتی نہیں ہے اب مجھے کوئی نوشت خواند
 و در مدح شاہ

اے شاہِ جہاں گیر! جہاں بخش جہاندار!
 ہے غیب سے ہر دم تجھے صد گوندِ بشارت
 جو عقدہ و شولہ کہ کوشش سے نہ واد
 تو واکرے اس عقدے کو نہ بھی بہ اشارت
 ممکن ہے کہ خضر سکندر سے ترا ذکر!
 گر لب کوندے چشمِ حیواں سے طہارت
 آصف کو سلیمان کی وزارت سے شرف تھا
 ہے فخرِ سلیمان جو کرے تیری وزارت

ہے نقشِ مریدی ترا فرمان الہی
 ہے داغِ غلامی ترا توقیعِ امدت
 تو آب سے گر سلب کرے طاقتِ سیلاں
 تو آگ سے گر دفع کرے تابِ شرارت
 ڈھونڈ نہ ملے موجدِ دریا میں روانی
 باقی نہ رہے آتشِ سوزاں میں حرارت
 ہے گرچہ مجھے نکتہ سرائی میں تو غل
 ہے گرچہ مجھے سحر طرازی میں مسدات
 کیونکر نہ کروں مدح کو میں ختمِ دعا پر
 قاصر ہے ستائش میں تری میری عبادت
 نوروز ہے آج اور وہ دن ہے کہ ہوئے ہیں
 نگارِ صنعتِ حق اہلِ بصارت
 تجھ کو شرفِ مہرِ جہان تابِ مبارک
 غالب کو ترے عہدِ عالی کی زیارت



افطار صوم کی کچھ 'اگر دستگاہ ہو
 اس شخص کو ضرور ہے 'روزہ رکھا کرے
 جس پاس روزہ کھول کے 'کھانے کو کچھ نہ ہو
 روزہ اگر نہ کھائے 'تو ناچار کیا کرے
 گزارشِ مصنف بحضورِ شاہ

اے شہنشاہِ آماں اور نگ! اے جہاندارِ آفتابِ انار!
 تھا میں اک بے نواے گوشِ نشیں تھا میں اک درد مندِ سینہ فگار
 تم نے مجھ کو جو آئروِ حشیش ہوئی میری وہ گرمی بازار
 کہ ہوا مجھ سا ذرۂ ناجیز روشناسِ ثلوت و سیار
 گرچہ از روے تنگ بے ہنری ہوں خود اپنی نظر میں اتنا خوار
 کہ گر اپنے کو میں کہوں خاکی جانتا ہوں کہ آئے خاک کو عار
 شد ہوں لیکن اپنے جی میں کہ ہوں بادشہ کا غلام کار گزار
 خانہ زلو اور مریدِ لودِ مداح تھا ہمیشہ سے یہ عریضہ نگار
 بارے نوکر بھی ہو گیا صد شکر نہتیں ہو سکیں متخصّص چار

نہ کہوں آپ سے تو کس سے کہوں
 بیہوش و مرشد! اگرچہ مجھ کو نہیں
 کچھ تو جائزے میں چاہیے آخر
 کیوں نہ درکار ہو مجھے پوشش
 کچھ خریدہ نہیں ہے اب کے سال
 رات کو آگ اور دن کو دھوپ
 آگ تاپے کہل تلک انساں!
 دھوپ کی تابش آگ کی گرمی
 میری تنخواہ جو مقرر ہے
 رسم ہے مردے کی چھماہی ایک
 مجھ کو دیکھو تو ہوں بقید حیات
 بس کہ لیتا ہوں ہر مہینے قرض
 میری تنخواہ میں تسائی کا
 کج مجھ سا نہیں زمانے میں
 رزم کی داستان گر سنے
 بزم کا التزام گر کیجے
 مدعائے ضروری الاغفار
 ذوق آرائش سرد دستار
 تانہ دے بلوز سریر آزار
 جسم رکھتا ہوں ہے اگرچہ نزار
 کچھ بنایا نہیں ہے اب کی بار
 بھاڑ میں جائیں ایسے لیل و نهار!
 دھوپ کھائے کہاں تلک جاندار!
 دقتار بنا عذاب اتار
 اس کے ملنے کا ہے شبِ پنجہ
 خلق کا ہے اسی چلن پہ مدار
 اور چھماہی ہو سال میں دوبار
 اور رہتی ہے سود کی نگہار
 ہو گیا ہے شریک ساہوکار
 شاعر نغز گوے خوش نگہار
 ہے زباں میری تیغ جو ہر دار
 ہے قلم میرا لبر گوہر بار

ظلم ہے، مگر نہ دو غن کی دلو قمر ہے، مگر کرو نہ مجھ کو چلا
 آپ کا بندہ اور پھروں بنگا! آپ کا نوکر اور کھاؤں اُدھار!
 میری تنگدلو کیجئے ملا بہ ملا تانہ ہو مجھ کو زندگی و شاد
 ختم کرتا ہوں اب دعا پہ کلام شاعری سے نہیں مجھے سرو کا
 تم سلامت رہو بزرگ بریں بریدیں کے ہوں دن پچاس ہزار

سید گلیم ہوں لازم ہے میرا نام نہ لے
 جہاں میں جو کوئی فتح و غنقر کا طالب ہے
 ہوا نہ غلبہ میرے کبھی کسی پہ مجھے
 کہ جو شریک ہو میرا شریک غالب ہے

سل تھا مُسہل ولے یہ سخت مشکل آپڑی
 مجھ پہ کیا گزرے گی اتنے روز حاضر بن ہوئے
 تین دن مُسہل سے پہلے تین دن مُسہل کے بعد
 تین مُسہل تین تیریدیں یہ سب کے دن ہوئے؟

خستہ انجمن طوے میرزا جعفر
 کہ جس کے دیکھے سے سب کا بول ہے جی محفوظ
 ہوئی ہے ایسے ہی فرخندہ سال میں غالب !
 نہ کیوں ہو مازہ سال عیسوی "محفوظ"
 ۱۸۵۴ء

ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی
 ہوا بزم طرب میں رقص ناہید
 کہا غالب سے "تاریخ اس کی کیا ہے؟
 تو بولا "انشاء جش جہشید"

گو ایک بادشاہ کے سب خانہ زلو ہیں
 دربار دار لوگ بہم آشنا نہیں
 کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں کرتے ہوئے سلام
 اس سے ہے یہ مراد کہ ہم آشنا نہیں





بعد از اتمام عید عید اطفال
ایام جوانی رہے ساغر کشِ حال
آپہنچے ہیں تا سواہِ اقلیمِ عدم
اے عمرِ گزشتہ! یک قدم استقبال



شب زلفِ ورخِ عرقِ فشاں کا غم تھا
کیا شرح کروں کہ طُرفِ تر عالم تھا
رویا میں ہزار آنکھ سے صبحِ تلک
ہر قطرۂ اشکِ دیدہ پر غم تھا



آتشِ بازی ہے جیسے شغلِ اطفال
ہے سوزِ جگر کا بھی اُسی طور کا حال
تھا موجدِ عشق بھی قیامت کوئی
لڑکوں کے لئے گیا ہے کیا کھیل نکال!

دل تھا کہ جو جان درو تمہید سی
 پتلی رشک و حسرت دید سی
 ہم اور فردن! اے تجلی! افسوس!
 تکرار روا نہیں! تو تجدید سی

ہے خلقِ حسد قماش لڑکے کے لئے
 وحشت کدہ تلاش لڑنے کے لئے
 یعنی! ہر بار صورت کاغذِ باد
 ملتے ہیں یہ بد معاش لڑنے کے لئے

دل سخت زند ہو گیا ہے گویا
 اُس سے گلہ مند ہو گیا ہے گویا
 پرید کے آگے بول سکتے ہی نہیں
 غالب! مُنہ بند ہو گیا ہے گویا

دکھ 'جی کے پسند ہو گیا ہے' غالب!
 دل رُک رُک کے بند ہو گیا ہے' غالب!
 واللہ کے شب کو غیند آتی ہی نہیں
 سونا سو گند ہو گیا ہے' غالب!

مشکل ہے زبں کا ام میرا اے دل
 سُن سُن کے اے سخنورانِ کامل
 آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمائش
 گویم مشکل، وگرنہ گویم مشکل!

بھیجی ہے جو مجھ کو 'شاہِ حجاز' نے 'دل'
 ہے لطف و عنایاتِ شہنشاہ پہ 'دل'
 یہ شاہِ پسند 'دل' ہے 'عُف و جدل'
 ہے دولت و دین و دانش و دلو کی 'دل'

ہیں شہ میں صفاتِ ذوالجلالی باہم
آثارِ جلالی و جمالی باہم
ہوں شاد نہ کیوں 'سافل و عالی باہم!
ہے اب کے شبِ قدرو دوالی باہم

حق 'شہ کی بقا ہے 'نطق کو شاد کرے
تا شاہ شیوع دانش و دلو کرے
یہ دی جو گئی ہے رشتہ عمر میں 'گانٹھ
ہے صفر کہ از بس اعداد کرے

اس رشتے میں 'لاکھ تار ہوں 'بلکھ سوا!
اتنے ہی برس شمار ہوں 'بلکھ سوا!
ہر سینکڑے کو ایک گرہ فرض کریں
ایسی گرہیں ہزار ہوں 'بلکھ سوا!

کہتے ہیں کہ 'اب وہ مردم گزار نہیں
عُتُوق کی پُرش سے اُسے عار نہیں
جو ہاتھ کہ قلم سے اٹھایا ہو گا
کیونکر مانوں کہ اس میں تلوار نہیں

--

ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے
کرتے ہیں درج کام کرنے والے
کہتے ہیں 'کہیں خدا سے' اللہ اللہ!
وہ آپ ہیں صبح و شام کرنے والے

-

سامان خور و خواب کہاں سے لاؤں؟
گرام کے اسباب کہاں سے لاؤں؟
روزہ مرا ایمان ہے 'غالب' لیکن
مخمسائے و برقاب کہاں سے لاؤں!

ان سیم کے بچوں کو کوئی کیا جانے!
 بچے ہیں جو ارمغان شدہ والے
 گن کر دیوینگے ہم دعائیں سوہار
 فیروزے کی تسبیح کے ہیں یہ دانے

ضمیمہ

دیکھنے میں ہیں گرچہ دو' پر ہیں یہ دونوں یار ایک
 وضع میں گو، ہوئی دوسر' تنج ہے ذوالفقار ایک
 ہم سخن اور ہم زباں، حضرت قاسم' و طپاں"
 ایک طپش کا جانشین' درد کا یادگار ایک
 تقدیر سخن کے واسطے' ایک عیار آگہی
 شعر کے فن کے واسطے' مایہ اعتبار ایک
 ایک وفا و مر میں' تازگی بساطِ دہر
 لطف و کرم کے باب میں' زینتِ روزگار ایک

۱۔ اس سے مراد قاسم خاں قاسم مراد ہیں۔

۲۔ مرزا احمد بیگ ملہاں مراد ہیں۔ ان دونوں

سے کلکتہ کے سفر کے دوران میں ملاقات ہوئی تھی۔

گلکدہ تلاش کو ایک ہے رنگ 'ایک پو
 ریختہ کے قماش کو پود ہے ایک 'تار ایک
 مملکت کمال میں 'ایک امیر نامور
 عرصے قیل و قال میں 'خسر و نادر ایک
 گلشن اتفاق میں 'ایک بیمار بے خزاں
 مے کدہ وفاق میں 'بادہ بے خمار ایک
 زندہ شوق شعر کو 'ایک چراغ انجمن
 سڑتے ذوق شعر کو 'شمع سر مزار ایک
 دونوں کے دل حق آشیانہ دونوں رسول پر فدا
 ایک محب چار یار 'عاشق بہشت و چار ایک
 جان وفا پرست کو 'ایک شمیم نو بیمار
 فرق ستیزہ مست کو 'ہر نگرگ بار ایک
 لایا ہے کہہ کے یہ غزل 'شائبہ ریاسے دور
 کر کے دل وزبان کو غالب خاکسار ایک

ا۔ الغافلہ (لکھنؤ) ستمبر 1934ء موقوفات غالب: 105-106

اپنا احوال دل زلر، کموں یا نہ کموں؟
 ہے حیا مانعِ اظہار، کموں یا نہ کموں؟
 نہیں کرنے کا میں تقریر، ادب سے باہر
 میں بھی ہوں واقفِ اسرار، کموں یا نہ کموں!
 شکوہ سمجھو اسے، یا کوئی شکایت سمجھو
 اپنی ہستی سے ہوں بیزار، کموں یا نہ کموں!
 اپنے دل ہی سے میں احوالِ گرفتاری دل
 جب نہ پاؤں کوئی غمخوار، کموں یا نہ کموں؟
 دل کے ہاتھوں سے کہ ہے دشمن جانی اپنا
 ہوں پاکِ آفت میں گرفتار، کموں یا نہ کموں؟
 میں تو دیوانہ ہوں گور ایک جہاں ہے غماز
 گوش ہیں در پس دیوار، کموں یا نہ کموں؟
 آپ سے وہ مرا احوال نہ پوچھے، تو اسد!
 حسبِ حال اپنے پھر اشعار، کموں یا نہ کموں؟

ممکن نہیں کہ بھول کے بھی آرمیدہ ہوں
 میں دشتِ غم میں آنسوے صیاد دیدہ ہوں
 ہوں درد مند، جبر ہو یا اختیار ہو
 گم مانہ کشیدہ، گم اشک چکیدہ ہوں
 جاں لب پہ آئی، تو بھی نہ شیریں ہوا دہن
 از بسکہ، تنگیِ غم جہراں چشیدہ ہوں
 نے سب سے عاقد، نہ ساغر سے رابطہ
 میں معرضِ مثال میں، دستِ بریدہ ہوں
 ہوں خاکسار، پر نہ کسی سے ہے مجھ کو لاگ
 نے دانہ فتادہ ہوں، نے دام چیدہ ہوں
 جو چاہئے، نہیں وہ مری قدر و منزلت
 میں یوسفِ یقمتِ اول خریدہ ہوں
 ہر گز کسی کے دل میں نہیں ہے مری جگہ
 ہوں میں کلامِ نغز، ولے ناشنیدہ ہوں

اہلِ ورع کے حلقہ میں ہر چند ہوں ذلیل
پر عاصیوں کے فرقہ میں 'میں' میں ہر گزیدہ ہوں
پانی سے سگ گزیدہ ڈرے جس طرح اسدا!
ڈرتا ہوں آئینے سے 'کہ' مر دم گزیدہ ہوں

مجلسِ شمعِ عذراں میں جو آجاتا ہوں
شمعِ سال میں تیرہ دہان صبا جاتا ہوں
ہووے ہے جادو رہ 'رہتے' گوہر ہر گام
جس گزر گاہ میں 'میں' اہلہ پا جاتا ہوں
سر گرں مجھ سے سب روکے نہ رہنے سے رہو
کہ یہ یک جنبش لب مثلِ صدا جاتا ہوں

شبِ وصال میں ٹٹوس گیا ہے بن تکیہ ہوا ہے موجِ آرامِ جانِ و تن تکیہ
خارجِ بلاشبہ چھس سے ہیوں نہ انگولِ گج! کہ بن گیا ہے خمِ جعبہ پر ختمِ تکیہ
ہا ہے مجھے گل ہلے یا سیمیں ہستر ہوا ہے دستِ نسرین و نسرین تکیہ

فروغ حسن سے روشن ہے خوابکہ تمام جو رنجِ خواب ہے پرویں توبہ پرانِ تکیہ
 مڑاٹے 'کو کیا خاک' ساتھ سونے کا رکھے جو پنج میں ہو شرفِ سیم تن تکیہ
 اگرچہ تھا یہ ارادہ 'مگر خدا کا شکر اٹھا سکا نہ نزاکت سے لگبدن تکیہ
 ہوا ہے کات کے چادر کو ناگاہ غائب اگرچہ زلفِ تل پر رکھے دامن تکیہ
 بضرِ پیشہ وہ اس واسطے ہلاک ہوا کہ ضربِ پیشہ پہ رکھتا تھا کوئین تکیہ
 یہ رات بھر کا ہے ہنگامہ صبح ہونے تک رکھونہ شمع پر 'اب لیلِ انجمن تکیہ
 اگرچہ پھینک دیا تم نے دُور سے 'لیکن اٹھلے کیونکہ یہ رنجور خستہ تن تکیہ
 غش آگیا جو پس لاقفل 'میرے قاتل کو ہوئی ہے اس کو مری نقش بے کفن تکیہ
 شبِ فرق میں یہ حال ہے لذت کا کہ سہل فرشتہ ہے لور سہل کا ہے من تکیہ
 روار رکھونہ رکھو 'تھا جو لفظ "تکیہ کام" اب اس کو کہتے ہیں لبِ سخن "سخن تکیہ
 ہم لور تم 'فلک بیز" جس کو کہتے ہیں
 ہیرِ غالب مسکین کا ہے کہن تکیہ

+

میں ہوں مشتاقِ جفا' مجھ پہ جفا لور سہی
 تم ہو ہیدلو سے خوش 'اس سے سوا لور سہی

غیر کی مرگ کا غم کس لئے اب غیرت ماہ!
 ہیں ہوس پیشہ بہت وہ نہ ہوا اور سہی
 تم ہو بت پھر تمہیں پندارِ خدائی کیوں ہے؟
 تم خدائوں ہی کھلاؤ خدا اور سہی
 حسن میں خور سے بڑھ کر نہیں ہونے کے کبھی
 آپ کا شیوہ و انداز و لوا اور سہی
 تیرے کوچہ کا ہے مائل دل مضطر میرا
 کچھ اک اور سہی قبلہ نما اور سہی
 کوئی دنیا میں مگر باغ نہیں ہے واعظ!
 غلد بھی باغ ہے خیر آب و ہوا اور سہی
 کیوں نہ فردوس میں دوزخ کو ممالیس یاد!
 سیر کے واسطے تھوڑی سی فضا اور سہی
 مجھ کو وہ دو کہ جسے کھا کے نہ پانی مانگوں
 زہر کچھ اور سہی آبِ بقا اور سہی
 مجھ سے غالب! یہ غلامی نے غزل لکھوائی
 ایک بیداو مگر رنجِ فزا اور سہی

آپ نے مَسْنَى الضَّرِّ کہا ہے تو سہی
یہ بھی یا حضرت اِیُّوب! گلہ ہے تو سہی

رنج طاقت سے سوا ہو، تو نہ پیوں کیوں سر
ذہن میں، 'خَوَلِی' تسلیم و رضا ہے تو سہی
ہے 'نَیْمَت' کہ با امید گزر جائیگی مہر
نہ ملے داؤ، مگر روز بچا ہے تو سہی
دوست گر کوئی نہیں ہے، جو کرے چارہ گری
نہ سہی، اک تمناے دوا ہے تو سہی
غیر سے، 'دِیَجْجِی' کیا خوب نبھائی اس نے!
نہ سہی ہم سے، 'پر اس بت میں وفا ہے تو سہی
نقل کرتا ہوں اسے نامہ اعمال میں، میں
کچھ نہ کچھ روز ازل تم نے لکھا ہے تو سہی
کبھی آجائے گی، کیوں کرتے ہو جلدی، غالب!
شر، تیزی، شمشیر قضا ہے تو سہی

لطفِ نظر و قاتلِ دمِ ہمسمل آئے
 جان جائے تو کیا سے؟ پہ کہیں دل آئے
 ان کو کیا ظلم کہ شستی پہ مری کیا گوری!
 دوست جو ساتھ مرے تائب ساحل آئے
 وہ ضمیمہ ہم کہ چلے جائیں حرم کو اسے شیخ!
 ساتھ حجاج کے اکثر کئی منزل آئے
 آئیں جس بوم میں وہ لوگ پکاراٹھتے ہیں
 ”لو“ وہ برہم زن ہنگامہ محفوظ آئے
 دیدہ خوبار ہے مدت سے ولے آج ندیم!
 دل کے ٹکڑے بھی کئی خون کے شامل آئے
 سامنا حور و پری نے نہ کیا ہے نہ کریں
 مکس تیرا ہی ”مگر“ تیرے مقابل آئے
 اب ہے ولی کی طرف کوچ ہمارا غالب!
 آج ہم حضرتِ نواب سے بھی مل آئے

دیکھ وہ برق تبسم بسکہ دل بیتاب ہے
 دیدۂ گریاں مرا 'فوارۂ سیماب' ہے
 کھول کر دروازۂ میخانہ 'بولائے فروش'
 مہب شکستِ توبہ میٹھاروں کو فتح الباب ہے

یک گرم کہ کی 'تو ہزاروں کے گھر جلے
 رکھتے ہیں عشق میں یہ اثر 'ہم جگر جلے
 پر دل کا نہ غم ہو 'تو پھر کس لئے 'اسد!
 ہر رات شمعِ شام سے لے تا سحر جلے

ذرا کر زور سینے پر کہ تیرا ہر ستم نکلے
 جو وہ نکلے 'تو دل نکلے' جو دل نکلے 'تو دم نکلے'

خمسہ بر غزل

یہاں در شاہ ظفر

گھٹے گھٹے پانو میں زنجیر آدھی رہ گئی
مر گئے پر 'قبر کی تعمیر آدھی رہ گئی
سب ہی پڑھتا 'کاش! کیوں تکبیر آدھی رہ گئی
"کھنچ کے 'قاتل! جب تری شمشیر آدھی رہ گئی
غم سے 'جان عاشقِ دلگیر آدھی رہ گئی"

پیٹھ رہتا ہے کے چشم پر غم اس کے زور و
کیوں کہا تو نے کہ کہ 'دل کا غم اس کے زور و
بات کرنے میں 'نکلتا ہے دم اس کے زور و
"کہہ سکے ساری حقیقت ہم نہ اس کے زور و
ہم نشیں! آدھی ہوئی تقریر آدھی رہ گئی"

تو نے دیکھا مجھ پہ کیسی بن گئی اے رازدار!
 خواب و بیداری پہ کب ہے آوی کو اختیار!
 مثل زخم آنکھوں کو سی دیتا جو ہوتا ہو شیر
 ”کینچنا تھا راستہ کو“ میں خواب میں ”تصویر یار
 جاگ اٹھا جو چھپنی تصویر کو بھی رو گئی“

غم نے جب گھیرا تو چاہا ہم نے یوں اے دلنواز
 مستی چشم سید سے چل کے ہوویں چارہ ساز
 تو صداے پاسے جاگا تھا جو ”کو خواب ناز!
 ”دیکھتے ہی اے سنگم! تیری چشم نیم باز
 کی تھی پوری ہم نے جو تدبیر آدھی رو گئی“

اُس بہ مغرور کو کیا ہو کسی پر التفات!
 جس کے حسن روز افزوں کی یہ اک اونا ہے بات
 ماہ نو نکلی پہ گزری ہو گئی راتیں پان سات
 ”اس رخ روشن کے آگے ماہ یک ہفتہ کی رات
 تہاشِ خورشید پر تصویر کو بھی رو گئی“

تا مجھے پہنچائے کا ہش 'نفتِ بد' ہے گھات میں
 ہاں فراوانی اگر کچھ ہے 'تو ہے آفات میں
 جز غم و رنج و آلم' گھلا ہے ہر یک بات میں
 "کم نصیبی اس کو کہتے ہیں کہ میرے بات میں
 آتے ہی 'خاصیتِ اکسیرِ آدھی رہ گئی"

سب سے یہ گوشہ کنار ہے 'گٹھے لگ جا مرے
 آدمی کو کیوں پکارے ہے 'گٹھے لگ جا مرے
 سر سے گر چادر اتارے ہے 'گٹھے لگ جا مرے
 "مانگ کیا بیٹھا سنوارے ہے 'گٹھے لگ جا مرے
 وصل کی شب 'لے بُت بے پیرِ آدھی رہ گئی"

میں کیا جانوں کہ وہ کس واسطے ہوں پھر گئے
 ر نصیب اپنا 'امیں جاتا سنا' جوں پھر گئے
 دھکنا قسمت 'وہ آئے' اور پھر یوں پھر گئے
 "م کے آدھی دور میرے گھر سے 'وہ کیوں پھر گئے
 کیا کشش میں دل کی اب تاثیرِ آدھی رہ گئی؟"

ناگہاں یاد آگئی ہے مجھ کو! یارب! کب کی بات
 کچھ نہیں کتنا کسی سے 'من رہا ہوں سب کی بات
 کس لئے تجھ سے چھپاؤں! پاؤں نہ پر سوں شب کی بات
 "نامہ بر جلدی میں تیری وہ جو بھی مطلب کی بات
 خط میں کو بھی ہو سکی تحریر! کو بھی رہ گئی"

ہو تجلی برق کی صورت میں! ہے یہ بھی غضب
 ہاں چھ گھنٹے کی تو ہوتی 'فرست' بیش و طرب
 شام سے آتے 'تو کیا اچھی گزرتی رات سب
 "پاس میرے وہ جو آئے بھی 'تو بعد از نصف شب
 نفی کو بھی حسرت! اے تقدیر! کو بھی رہ گئی"

تم جو فرماتے ہو! دیکھ اے غالب! آشفیت سر!
 ہم نہ تجھ کو منع کرتے تھے گیا کیوں اس کے گھر؟
 جان کی پاؤں اماں باتیں یہ سب سچ ہیں! مگر
 "دل نے کی ساری خرابی! لے گیا مجھ کو! ظفر
 وہاں کے جانے میں مری تو قیر کو بھی رہ گئی

قصیدہ

ملاؤ کشور و لشکر، پناہ شہر و سپاہ
 جنبِ عالیِ ایلین برون والا چاہ
 بلند رتبہ وہ حاکم، وہ سرفراز امیر
 کہ باج تاج سے لیتا ہے جس کی طرف نگاہ
 وہ محض رحمت و رافت کہ بہر اہل جہاں
 نیلِ دم عیسیٰ کرے ہے جس کی نگاہ
 وہ عینِ عدل کہ دہشت سے جس کی پرستش کی
 ہے، 'شعلہ آتش' انیس ہندہ کاہ
 زمیں سے سودہ گوہر اٹھے، بجائے غبار
 جہاں ہو، تو سنِ حشمت کا اُس کے جولا نگاہ
 وہ مہرباں ہو، تو انجم کہیں "الہی شکر"
 وہ خشکیں ہو، تو گردوں کے "خدا کی پناہ"

ق

یہ اُس کے عدل سے اُضد لو کو ہے آمیزش
 کہ دشت و کوہ کے اطراف میں بہ ہر سر راہ
 ہر بر 'پنچے سے' لیتا ہے کام شانے کا
 کبھی جو ہوتی ہے کبھی ہوئی دُم رویاہ
 نہ آفتاب' ولے آفتاب کا ہم چشم
 نہ بادشاہ' ولے مرتبے میں ہمسر شاہ
 خدا نے اُس کو دیا ایک خور و فرزند
 بستارہ جسے چمکتا ہوا بہ پہلوے ماہ
 زبے 'ستارہ روشن' کہ جو اسے دیکھے
 شعاعِ مر درخشاں ہو' اُس کا تار نگاہ
 خدا سے ہے یہ توقع کہ عہدِ طفلی میں
 بیگا شرق سے تا غرب اس کا بازیگاہ
 جوان ہو کے کرے گا یہ وہ جمانبانی
 کہ تابع اس کے ہوں روز و شب سپید و سیاہ
 کہے گی خلق اسے "دلورِ بہر شکوہ"
 لکھیں گے لوگ اسے "خسر و ستارہ سپاہ"

عطا کریگا خداوند بکار سہارے
 روان روشن و خوش و دل آگاہ
 ملیں اس کو وہ عقلِ صفتِ دال کہ اسے
 پڑے نہ قطعِ خصومت میں 'احتیاجِ گواہ'
 یہ لڑکتاز سے برہم کرے گا کشورِ روس
 یہ لیگا 'بادشہِ چین' سے 'چھینِ تخت و کواہ'
 سنیں 'عیسوی' اٹھارہ سو اور اٹھاون
 یہ چاہتے ہیں جہاں آفریں سے شام و پگاہ
 یہ جتنے سیکڑے ہیں سب ہزار ہو جاویں
 دراز اس کی ہو عمر اس قدر 'خن کو تہا'
 امیدوارِ عنایات 'شیونارائن'
 کہ آپ کا ہے نمکِ خوار اور دولتِ خواہ
 یہ چاہتا ہے کہ دنیا میں عز و جاہ کے ساتھ
 تمہیں اور اس کو سلامت رکھے سدا اللہ!

قصیدہ

گئی ہیں سال کے رشتہ میں جس بدگروہ ابھی حساب میں باقی ہیں سو بزرگروہ
 گروہ کی ہے یہی کشتی کہ جہد و نہاں ہوا کر گئی ہر اک سال پیش کار گروہ
 یقین جان نہ اس گانٹھ کا ہے جو تا گا یہ نکشال ہے کہ ہیں اس میں دھند گروہ
 گروہ سے نور گروہ کی امید کیوں نہ پڑے! کہ ہر گروہ کی گروہ میں ہیں تین چار گروہ
 دکھا کے رشتہ کسی جو قشتی سے بچ چھٹا کہ ”دیکھ کشتی اٹھالایگا یہ تار گروہ“
 کہا کہ ”چرخ پہ ہم نے گئی ہیں نوگر ہیں جویاں گھنٹیں گے تو پلاینگے نو ہزار گروہ
 خود آہاں ہے مہاراجا پر صدقے کر لگا سینکڑوں اس تار پر تار گروہ
 دور اور اجہ پہلور کہ ختم سے جن کے رواں ہوتا رہے فی القور دن و رات گروہ
 انہیں کی سالگرہ کے لئے ہے سال سال کہ لائے غیب سے غنچوں کی نو بہار گروہ
 انہیں کی سالگرہ کے لئے بنانا ہے ہوا میں بوند کو لبر عطر گ بار گروہ
 انہیں کی سالگرہ کے لئے ہے یہ توقیر کہ بن گئے ہیں شرباے شاخسار گروہ
 سن لے نہ ہم لہرس گانٹھ کے یہ تار گے نے تجھے بتاؤں کہ کیوں کی ہے اختیار گروہ
 پے دعلے بقلے جنب فیض لب گئے گی اس میں ثقلت کی استوار گروہ

ہزاروں کی تسبیح چاہتا ہے یہی بلا مبالغہ درکار ہے ہزار گرو
 عطا کیا ہے خدا نہ یہ چاہے اُس کو کہ چھوڑتا ہی نہیں رشتہ زہنہار گرو
 کشادہ رخ نہ کھمبے کیوں جہاں دہلنے میں ہے نہ اپنے بہرِ نقاب پار گرو
 متاعِ عیش کا ہے قافلہ چلا آتا کہ جاوے رشتہ ہے مور ہے شتر قطار گرو
 خدا نے دی ہے وہ غالب کو دستِ گلِ سخن کروڑوں حوٹھ کے لاتا یہ خاکسار گرو
 کہاں مجالِ سخن 'سانس' لے نہیں سکتا پڑی ہے دل میں مرے 'غم کی بوجھ' گرو
 گرو کا نام لیا پر نہ کر سکا کچھ بات نہاں تک آ کے ہوئی اور استوار گرو
 کھلے یہ گاتھ تو اہلِ دم نکل جاوے بری طرح سے ہوئی اور استوار گرو
 لو حرن ہوگی توجہ حضور کی جب تک کبھی کسی سے کھلیجی نہ زہنہار گرو
 دعا ہے یہ کہ مخالف کے دل میں از رو غفلت پڑی ہے 'یہ جو بہت سخت ہاتھار گرو
 دل اُس کا پھوڑے کے نکلے 'بشکل پھوڑے کی
 خدا کرے کہ کرے اس طرح اہار گرو
 قصہ

کرتا ہے چرخ روز بصد گونہ احرام فرماں رواے کشور پنجاب کو سلام
 حق کو حق پرست حق ہمیشہ حق شناس نواب مستطاب 'امیر شاہ احتشام

ہم رتبہ میں فخر پہنچاؤں کہ وقت رزم ترک فلک کے ہاتھ سے چھین لیں ہم
 جس بزم میں کہ ہوا انھیں گئی میٹھی وال آسان شیشہ نے 'آفتاب جام
 چایا تھا میں نے تم کو مہ چارو کھوں دل نے کہا کہ یہ بھی ہے تیرا خیال خام
 دو رات میں تمام ہے ہنگامہ ما کا حضرت کا عز و جہو ریگا حل الدوام
 جے ہے 'ہم آفتاب ہو' جس کے فروغ سے دیباہ نور ہے فلک کھینچے فام
 میری سنو کہ حق تمہارا سر زمین پر حق کے تقاضات سے ہو مریع لام
 اخبار لودھیہ میں 'میری نظر پر ہی تحریر ایک' جس سے ہوا بندہ 'تلقی کام
 نکلے ہوا ہے دیکھ کے تحریر کو 'جگر کاتب کی آستیں ہے' مگر حق ہے نیام
 دو فرد 'جس میں ہم ہے میرا غلط لکھا جب یاد آگئی ہے' بکجا لیا ہے تمام
 سب صورتیں بدل گئیں 'ناگدیک قلم لبر رہا نہ نذر' نہ خلعت کا انتظام
 ستر برس کی عمر میں یہ داغ جا نگداز جس نے 'جلا کے' راکھ مجھے کر دیا تمام
 تھی جنوری مہینے کی تاریخ تیرہویں استاد ہو گئے لب دیا پہ جب خیام
 اس بزم ہند فروغ میں اس تیرہ وقت کو لبر ما نشست میں از روئے اہتمام
 سمجھا اسے 'گلاب' ہوا پاش پاش دل دیوار میں جو مجھ پہ چلی 'چشمک عوام
 عزت پہ 'اٹل ہم کی ہستی کی ہے' بنا عزت جہاں گئی 'تو نہ ہستی رہی' نہ ہم

تھا ایک گونہ ناز جو اپنے کمال پر اس ناز کا فک نے لیا مجھ سے انتقام
 آیا تھا وقت ریل کے کھٹنے کے بھی قریب تھا بارگاہِ خاص میں خلقت کا ازدحام
 اس کش مکش میں آپ کا بدن جو دردمند آقا سے نامور سے نہ کچھ کر سکا کام
 جو وہاں نہ کہ سکا تھا وہ لکھا حضور کو دیں آپ میری دلوں کو ہوں فائز المرام
 مسلک وہ نہ ہو تو نہ ہو کچھ ضرر نہیں سلطانِ بروہن کے در کا ہوں میں غلام
 و کٹور یہ کا دہر میں جو مدح خوان ہو شہنشاہِ مصر چاہیے میں عزت اس سے وام
 خود ہے تدارک اس کا گور نعمت کو ضرور بیوہ کیوں ذلیل ہو عتاب ہے جس کا کام
 ہر جدید کا تو نہیں ہے مجھے 'سبیل' بارے قدیم قاعدے کا چاہیے قیام
 ہے ہند کو لہذا عزت کی آرزو چاہیں اگر حضور تو مشکل نہیں یہ کام
 دستورِ نئے شعر بھی ہے قدیم سے یعنی دعا پہ مدح کا کرتے ہیں اختتام
 ہے یہ دعا کہ نہر نکلیں آپ کے رہے
 اقلیم ہند و سندھ سے تا ملکِ روم و شام

قصیدہ

مرحبا! سالِ فرخی آئیں امید شوال و ماہِ فرور دیں
 شبِ دروز، الفجار لیل و نهار مہ و سال، اشرفِ شورو سنیں
 گرچہ ہے بعدِ امید کے نوروز لیک بیشِ اترہ ہفتہ بعدِ نہیں
 سو اس آنکس دن میں، ہونی کی چابجا مجلسیں ہونی رنگین
 شہر میں ٹوبھو، بیرو گلال باغ میں سو سو گل و نسریں
 شہر، گویا نمونہ گلزار باغ، گویا بکار خانہ چمن
 تین تیو ہار، اور ایسے خوب جمع ہرگز ہوئے نہ ہونگے کہیں
 پھر ہوئی ہے اسی مینے میں منعقد، محلِ انقلابِ قریں
 محلِ غسلِ صحتِ نواب رونق افزائے مسندِ تمکین
 بزمِ گہ میں، امیرِ شلا نشاں رزمِ گہ میں، حریفِ شیر کیس
 پیشِ گاہِ حضور، شوکت و جاہ خیرِ خواہِ جناب، دولت و دیں
 جن کی مسند کا آہاں، گوشہ جن کی خاتم کا آفتاب، نگین
 جن کی دیوارِ قصر کے نیچے آہاں ہے گداے سایہ نشیں

سہر میں اس طرح کی بوم سرور نہ ہوئی ہو بھی مددے زمیں
 انغم چرخ' گوہر آگیں فرش نور سے' ماو ساغر سیمیں
 راجہ اندر کا جو اکھاڑا ہے ہے وہ بالائے سطح چرخ بریں
 وہ نظر گاہ اہل وہم و خیال یہ ضیا خشیا چشم اہل یقیں
 والں کہاں یہ عطا بذل و کرم! کہ جہاں گدیہ گر کا نام نہیں
 یاں زمیں پر نظر جہاں تک جائے ڈالہ آسا چھے ہیں دُر شیں
 نقیہ مطربان زہرہ نوا جلوۂ لولیان ماو جہیں
 اس اکھاڑے میں جو کہ ہے منظون یاں' وہ دیکھا چشم صورت ہیں
 سرور مہر فرہوا جو سوار بھمال جھنمل و تڑمیں
 سب نے جانا کہ ہے پری تو سن اور بال پری ہے دامن زمیں
 نقش سم سمند سے' یکسر بن گیا دشت' دامن جھنمیں
 فوج کی گرد راو' خشک فشاں رہروں کے مشام' عطر آگیں
 برسمہ خشی ہے فوج کو عزت فوج کا ہر پیادہ ہے فرزین
 موبہ خاص نیوں زمیں پر تھا جس طرح ہے سپر پر پروں

ق

چھوڑ دیتا تھا گور کو بہرام ران پر داغ تازہ دے کے وہیں
 اور داغ آپ کی غلامی کا خاص بہرام کا ہے نسب نرین
 بندہ پرور! ثنا طرازی سے مدعا عرض فن شعر نہیں
 آپ کی مدح اور میرا منہ! گر کون بھی تو آئے کس کو یقیں!
 اور پھر اب کہ ضعف پیری سے ہو گیا ہوں نزار و زار و حزن
 پیری و نیستی خدا کی پناہ! دست خالی و خاطر غمگین
 صرف اظہار ہے ارادت کا ہے قلم کی جو تہجد ریز زمیں
 مدح گستر نہیں دعا گو ہے غالب عاجز نیاز آئیں
 ہے دعا بھی یہی کہ دنیا میں
 تم رہو زندہ جاوہاں! آئیں!

مثنوی

ایک دن 'مٹل پنکب کاغذی لے کے' دل 'سر رہتے تڑاؤ گی
 خود خود کچھ ہم سے کنیا نے اگا اس قدر بھولا کہ سر کھانے اگا
 میں کہا اے دل! ہوائے دلبر ہی بسو تیرے حق میں رکھتی ہے نہیں
 "بیچ میں ان کے نہ گنا زہد یہ نہیں ہیں گے کسو کے پار غار"
 "تو رہے پنڈے پر نہ کریں کے نظر کھینچ لیتے ہیں یہ 'ڈورے ڈال کر'
 "مب تو مل جائیگی تیری ان سے ساٹھ لیکن آہر کو پڑیگی ایسی گانٹھ"
 "سخت مشکل ہوگا سلجھانا تجھے قر ہے دل 'ان میں الجھانا تجھے"
 "یہ جو ٹھل میں 'بوحالت ہیں تجھے بھول مٹاس پر لڑات ہیں تجھے"
 "ایک دن تجھ کو لڑا دیں گے کہیں مفت میں با حق کنادیں گے کہیں
 دل نے سن کر کانپ کر کھانچا کتاب غوطے میں جا کر ڈیا کٹ کر جواب
 رخت در گردنم افکندہ دوست
 می نرود ہر جا کہ خاطر خواہ دوست"

قطعات

مقامِ شکر ہے اے ساکنانِ خطہِ خاک! رہا ہے زور سے 'ابرِ ستارہ بارِ برس'
 کہل ہے ساقیِ موشِ کہل ہے ابرِ مطہر 'ہیار' 'لا' سے گلزارِ گول 'ہیار برس'
 خدا نے تجھ کو عطا کی ہے گہرا افشانی درِ حضور پر 'اے لہر! بار بار برس'
 ہر ایک قطرے کے ساتھ آئے جو ملکِ کعبہ "اسیرِ کلبِ ملی خاں جیشِ ہزار برس"
 فقط ہزار برس پر کچھ انحصار نہیں کئی ہزار برس 'بلندِ چشمہ برس'
 جب قلعہِ حاجت 'اس بلاکش' نے ہوئے غلابت کا ہیں پانچ چادر برس
 شفا ہو آپ کو 'خاب' کو ہمدِ غم سے نجات
 خدا کرے کہ یہ ایسا ہو سازگار برس!



ہند میں اہل تسنن کی ہیں دو سلطنتیں
حیدر آباد وکن' رشک گلستانِ اِزم
رام پور' اہلِ نظر کی ہے نظر میں وہ شر
کہ جہاں بہشت بہشت آکے ہوئے ہیں باہم
حیدر آباد بہت دور ہے' اس ملک کے لوگ
اُس طرف کو نہیں جاتے ہیں جو جاتے ہیں تو کم
رام پور آج ہے وہ بقعہ معصوم' کہ ہے
مرجع و مجمعِ اشرافِ ہواوِ گوم
رام پور' ایک بڑا باغ ہے' لڑوے مثال
دلکش و تازہ و شاداب و وسیع و خورم
جس طرح باغ میں سادوں کی گھنائیں برسیں
ہے اُسی طور یہاں وجہ فشاں' دستِ کرم
بر دستِ کرم کلبِ علی خاں سے مدام
دور شہوار ہیں' جو گرتے ہیں قطرے پیہم

صدمہ باغ میں آجائے جسے ہو نہ یقیں
 ہرزہ و برگ گل و نالہ پہ دیکھے شبنم
 حنڈا باغ ہمایون تقدس آثار!
 کہ جہاں چرنے کو آتے ہیں غزالانِ حرم
 مسلکِ شرع کے ہیں راہرو و راہ شناس
 خضر بھی یاں اگر آجائے تو لے ان کے قدم
 مدح کے بعد دُعا چاہیے اور اہلِ سخن
 اس کو کرتے ہیں بہت بڑھ کے بہ اغراق رقم
 حق سے کیا مانگئے ان کے لیے جب ہو موجود
 ملک و محنت و خیل و سپہ و کوس و علم
 ہم نہ تہلّی کے مائل نہ ٹلو کے قائل
 دو دعائیں ہیں کہ وہ دیتے ہیں نواب کو ہم
 یا خدا! غالبِ عاصی کے خدوئند کو دے
 دو وہ چیزیں کہ طبّگار ہے جن کا عالم
 اولاً عمرِ طبعی، بہ دوامِ اقبال
 ثانیاً دولتِ دیدار شہنشاہِ اُمم

قطعہ تاریخ اختتام کتاب

سلیم خاں کہ وہ ہے نور چشمہ اصل خاں حکیم حائق دانا ہے 'وہ لطیف کلام
تمام دہر میں اس کے مطب کا چرچا ہے کسی کو یاد بھی لقمان کا نہیں ہے نام
اسے فضائل علم و ہنر کی افزائش ہوئی ہے مبداء عالم سے اس قدر انعام
کہ حدیث علم میں لطفال مجددی اس کے ہزار بار غلاطوں کو دے چکے انعام
عجیب نسخہ پور لکھا ہے اک اس نے کہ جس میں حکیم طبیبی کے مسئلے ہیں تمام
نہیں کتاب ہے اک منبع نکات مدنی نہیں کتاب ہے اک معدن جوہر کلام
کل اس کتاب کے سال تمام میں جو مجھے کمال فکر میں دیکھا فرد نے ہے آرام
کما یہ جلد کہ تو اس میں سوچنا کیا ہے
"لکھا ہے نسخہ" یہی ہے سال تمام

۱۲۷۹ھ

قطعہ

اے جہان آفریں خدائے کریم! صنایع ہفت چرخ و ہفت اقلیم
نام میکوڈ جن کا ہے مشہور یہ ہمیشہ بصد غلط و سرور
عمر و دولت سے شادمان رہیں اور غالب پہ مہربان رہیں

قطعہ

گوزگانویر کی جتنی رعیت وہ یک قلم عاشق ہے اپنے حاکم عادل کے نام کی
سویہ نظر فروز قلمدان نذر ہے مسٹر گودان صاحب عالی مقام کی

سرا^(۱)

خوش ہو! اے نخت! کہ ہے ترے سر سرا
باندھ 'شہزادہ جواں نخت کے سر پر سرا

۱۔ شہزادہ جواں نخت کا نکاح یکم اپریل ۱۸۵۲ء کو ہوا تھا ظاہر ہے کہ یہ سرا اس تقریب
سے دو چار دن پہلے لکھا گیا ہو گا لیکن دیوان کے جو تین ایڈیشن اس کے بعد شائع
ہوئے میرزا نے اس سرے کو ان میں شامل نہیں کیا حالانکہ بیان معنی "جو اسی
کا نتیجہ اور شاعرانہ قفا ہو سب میں موجود ہے۔ البتہ یہ "نکارستان
خُن" (۱۸۶۳ء میں شامل ہے۔ بعد میں یہ غالباً "کب حیات" (معذرت
مولا نا محمد حسین آزاد) سے لے کر دیوان میں شامل کیا گیا ہے۔ یہ سرا اسی زمانے
میں دہلی اردو اخبار اور قرآن السعدین میں چھپا تھا۔

کیا ہی اس چاند سے مکھڑے پہ بھلا لگتا ہے!
 ہے ترے حسنِ دل افروز کا زیور سرا
 سر پہ چڑھنا تجھے پہنچتا ہے 'پر اب طرفِ کلاہ!
 مجھ کو ڈر ہے' کہ نہ چھینے ترا لہر سرا
 ناؤ بھر کر ہی پروئے گئے ہونگے موتی
 ورنہ کیوں لائے ہیں کشتی میں لگا سرا
 سات دریا کے فراہم کئے ہونگے موتی
 تب بنا ہو گا اس انداز کا گز بھر سرا
 رخ پہ دولہا کے جو گرمی سے پسینہ ٹپکا
 ہے رگِ برِ گلہر بادِ سرا سرا
 یہ بھی اک بے لوثی تھی کہ قبائے بڑھ جاے
 رو گیا کن کے دامن کے بر سر سرا
 جی میں اترا کیں نہ موتی کہ ہمیں ہیں اک چیز
 چاہیے پھولوں کا بھی ایک مقرر سرا
 جب کہ اپنے میں سہویں نہ خوشی کے مدے

گوندھے پھولوں کا بھلا پھر کوئی کیونکر! سرا!
 رخ روشن کی دمک، گوہر ناطاں کی چمک
 کیوں نہ دکھائے فروغِ مہ و اختر، سرا
 تا ریشم کا زمیں، ہے یہ رگِ لہرِ بید
 لائے گا تابِ گراں باری گوہر، سرا
 ہم سخن فہم ہیں، غالب کے طرف دار نہیں
 دیکھیں اس سرے سے کہ دے کوئی بہتر سرا
 سرا

ہم نشیں تارے ہیں، اور چاند شہاب الدیس خان
 بزمِ شادی ہے فلک، کاہنشاں ہے سرا
 ان کو لڑیاں نہ کہو، بحر کی موجیں سمجھو
 ہے تو کشتی میں، ولے بحرِ رواں ہے سرا^(۱)

ایضاً نواب علاء الدین احمد خاں ملائی (قلمی)

سرا

چرخ تک دھوم ہے، کس دھوم سے کیا سرا
چاند کا دائرہ لے، زہر نے گلیا سرا
رخک سے لڑتی ہیں آپس میں الجھ کر لڑیں
باندھنے کے لئے جب سر پہ اٹھایا سرا

قطعہ تاریخ

اس کتاب طرب نعلب نے جب آب و تاب انطباع کی پائی
فخر تاریخ سال میں، مجھ کو ایک صورت نئی نظر آئی
ہند سے پہلے سات سات کے دو دیئے ناگاہ مجھ کو دکھائی
اور پھر ہندسہ تھا بارہ کا باہر اراں ہزار زبان
سال ہجری تو ہو گیا معلوم بے شمول عبارت آرائی
مگر اب ذوق بذلہ سنجی کو ہے جداگانہ کار فرمائی
سات اور سات ہوتے ہیں چودہ بے امید سعادت افزائی

۱۔ لال قلعہ کی جھلک (ناصر نذیر فریق) ۳۰۰

غرض اس سے ہیں چل رہے معصوم جس سے ہے چشمِ بد کو نیکی
 اور بارہ امام ہیں بارہ جس سے ایمان کو ہے توانائی
 اُن کو غالب یہ سال اچھا ہے
 جو ائمہ کے ہیں توانائی
 خط منظوم، بنامِ علانی

بس کہ فعالِ مائید ہے آج ہر مظلوم انگلستان کا
 گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے زہرہ ہوتا ہے اب انسان کا
 چوک جس کو کہیں وہ قتل ہے گھر بنا ہے نمونہ زنداں کا
 شہرِ دہلی کا درہ درہ خاکِ تھنہ لکھوں ہے ہر مسلمان کا
 کوئی واں سے نہ آسکے یاں تک گولی واں نہ جا سکے یاں کا
 میں نے مانا کہ مل گئے پھر کیا؟ وہی رونا تن و دل و جان کا
 گادہ جل کر کیا کیے شکوہ سوزِشِ داغِ پناں کا
 گادہ رو کر کہا کیے باہم بجزا دید ہاں ہجریں کا
 اس طرح کے وصال سے یاد پڑا
 کیا مئے داغِ دل سے ہجراں کا

خطِ مظلوم، نامِ علانی

خوشی ہے یہ آنے کی برسات کے ہمیں بارِ آب اور آم کھائیں
 سر آوازِ موسم میں اندھے ہیں ہم کہ دلی کو چھوڑیں 'لوہارو کو جائیں
 سوانح کے جو ہے مطلوب جاں نہ واں آم پائیں' نہ انگور پائیں
 ہوا حتم بارِ چیلوں کو' کہ ہاں! ابھی جا کے پوچھو کہ کل کیا پکائیں؟
 وہ کھئے کہاں پائیں اہلی کے پھول وہ کڑوے کر پئے کہاں سے منگائیں

فقط گوشت' سو بھیر کا رشتہ دار

کہو' اس کو کیا' کھا کے ہم' حظ اٹھائیں



اے مٹی خیر و سر! سخن ساز نہ ہو غصہ خور ہے تو' مقابل باز نہ وہ
 آواز تری نکلی 'اور آواز کے ساتھ لاٹھی وہ لگی کہ جس میں آواز نہ ہو



کیا ان دنوں سر ہو ہماری فراخ میں کچھ تفرقہ رہا نہ دل و درد و داغ میں
چلا چشم شوق ہو موسیٰ نے طور پر یاں دیکھتے ہیں روز وہی ہر چراغ میں
یہ ملکوت و وقار ملائی یہ وحشیتیں
شورش ہے کچھ ضرور تمہارے دماغ میں

مرثیہ

ہاں اے نفسِ ہلا سحر! شعلہ فشاں ہو اے دجلہ نول! چشم ملائک سے رول ہو
اے زمزمہ قم السب بھئی پہ فغاں ہو اے مامیان شبِ معصوم! کہاں ہو
بجوی ہے بہت بات بنائے نہیں بنتی
اب گھر کو بغیر آگ لگائے نہیں بنتی
تابِ سخن و طاقتِ غوغا نہیں ہم کو ماتم میں شد دیں کے ہیں سوا نہیں ہم کو
گھر پھونکنے میں اپنے مہلبا نہیں ہم کو گرچہ بھی جل جائے تو پڑا نہیں ہم کو

یہ فریاد نہ پا یہ جو مدت سے بجا ہے
 کیا خیمہ شبیر سے رتہ میں سوا ہے!
 کچھ لوری عالم نظر آتا ہے جہاں کا کچھ لوری نشہ ہے دل و چشم و نہاں کا
 کیسا فلک اور مہر جہاں تاب کہاں کا ہو گا دل و تاب کسی سوختہ جاں کا
 اب مہر میں اور برق میں کچھ فرق نہیں ہے
 گر تا نہیں اس رو سے کہو برق نہیں ہے

سلام

سلام اُسے کہ اگر بادشاہ کہیں اُس کو تو پھر کہیں کہ کچل اُس سے سوا کہیں اُس کو
 نہ بادشاہ نہ سلطان یہ کیا ستائش ہے کہ اُس کو کہ خامس آلِ عباس کہیں اُس کو
 خدا کی راہ میں شامی و خسروی کیسی؟ کہ اُس کو کہ رہبرِ راہِ خدا کہیں اُس کو
 خدا کا بندہ خداوندِ مکار بندوں کا اگر کہیں نہ خداوند کیا کہیں اُس کو؟
 فروغِ جوہرِ ایمان حسینؑ لہنِ مٹی کہ شمعِ الجمن کبریا کہیں اُس کو
 کفیلِ عشقِ است ہے بن نہیں پڑتی اگر نہ شافعِ روزِ جزا اُس کو
 مسیح جس سے کرے لہذا فیضِ جاں بخشی ستم ہے ستمِ تغ جفا کہیں اُس کو
 وہ جس کے ماتھوں پر ہے سلسیلِ سمیل شہیدِ آتش لبِ کربلا کہیں اُس کو
 عدد کی سحرِ رضا میں جگہ نہ پائے وہ بات کہ جن دامنِ ملک سب جاکیں اُس کو
 بہت ہے پایہ گردِ حرمِ حسینؑ بند بھر رہم ہے مگر کیا کہیں اُس کو
 اظہارِ سوز ہے یاں تک ہر ایک دروِ خاک کہ نوکِ جوہرِ تیغِ قضا کہیں اُس کو
 بہارِ درو کی یاد! کہیں روانہ ملے اگر نہ درو کی اپنے دوا کہیں اُس کو
 ہمدردی ہے کہ دیں گے حسنِ صبر کی دوا مگر نی و مٹی مرجہا کہیں اُس کو
 زمامِ ناقص اُس کے میں ہے اہلِ یقیں پس در حسینؑ مٹی پیشوا کہیں اُس کو
 وہ در نیگِ تفسدِ وادی پہ گامِ فرسا ہے کہ طالبانِ خدا رہنما کہیں اُس کو

امام وقت کی یہ قدر ہے کہ اہل عباد بیادے چلیں اور ہمرا کیں اس کو
 یہ اجتہاد عجب ہے کہ ایک دشمن دیں غلی سے آکے لڑے اور خطا کیں اس کو
 یزید کو تو نہ تھا اجتہاد کا پایہ برانہ مانے مگر ہم برا کیں اس کو
 غلی کے جہنم اور حسن کے جہنم کرب جوان سے رفتی بھلا کیں اس کو؟
 نبی کا ہو نہ جسے اعتقاد کا فر ہے رکھے امام سے جو نفس کیا کیں اس کو
 بھرا ہے غالب دل خستہ کے کلام میں درد
 غلام نہیں ہے کہ خو نہیں نوا کیں اس کو

رباعیات

رفق کا جواب نبول نہ بھیجا تم نے قاتب حرکت یہ کی ہے جے جاتم نے
 حاجی گلو کو دے کے بیوجہ جواب غالب کا پکا دیا کلیجا تم نے



اے روشنی کویدہ 'شباب الدین' خاں! کتنا ہے ہٹاؤ کس طرح سے مضامین؟
 ہوتی ہے ترویج سے فرصت کب تک؟ سنتے ہو ترویج میں کتنا قرآن؟



جن لوگوں کو ہے مجھ سے صداقت کبری کہتے ہیں مجھے وہ رافضی اور حری
 دینی کیونکر ہو جو کہ دہوک صوفی؟ شیعہ کیونکر ہو 'بدلا' انگریز؟

فرویات

مے کشتی کو نہ سمجھ ہے حاصل
بادہٴ غالب عرقِ بید نہیں

لہر روتا ہے کہ بزمِ طرب آباد کرو، برقِ مُستی ہے کہ فرست کُنم ہے ہم کو

یہا ہے یاں تک اشکوں میں 'غبارِ کلفتِ خاطر
کہ چشمِ تر میں 'ہر اک پار کا دل 'پاے در گل ہے

دلِ پُکا کہ دل میں ہے جو کچھ 'سوپ کا، دل 'بچے 'مُمر مر۔ ارماں نکالے

شمسِ صاف یار، جو زہرِ اب داؤد ہو، وہ خطِ سبز ہے کہ یہ رخسارِ سلو ہو

دیکھتا ہوں اسے 'تھی جس کی تمنا مجھ کو کج ہمدلی میں 'ہے خُلبِ زلیخا مجھ کو

ہنستے دیکھ دیکھ کے سب ناواقف مجھے یہ رنگ زرد ہے ہنسنے والوں کے

--

جنت کے بوئے مو کی ہے سنل پیدا دامن زخم میں تیرا ہوئی نل پیدا

--

نیاز عشق آخر میں سزا بہت ہوئی بہتر
جو نہ جلاوٹ شاربِ قہر نہشتِ خار و شش بہتر

--

یہ کیا جو ہو کہنا کہ ضعیف دل و اعجاز کی تصویر ہے صحرائے ہوس و لغو

--

مردوں کے قلب بڑے سنگین ہیں مجھے مگر بحر ایک ہی پہلو پہ سلا ہے مجھے

--

عبادت گاہ و پناہی طرف سے بلبل کی کہ روئے غنچہ گل کو آئیں پھر جائے

--

زخمِ دل تم نے دیکھا ہے کہ جی جانتے ہیں ایسے ہنسنے کو دلیا ہے کہ جی جانتے ہیں

ہم کیا کہیں کسی سے کیا ہے طریق اپنا مذہب نہیں ہے کوئی ملت نہیں ہے کوئی

کھٹن وہ بھی ہے کوئی سرائے ماتم شمیم بہان میں جہانے توہمیں

دور نکال یہ نام کی پیتے جی ہیں اب کہ مرہوں کو نہ بدستے ہوتے کفن دیکھا

پھر مر جہ پڑھایا مر انجی غیر نے آیا ہم اک مکان فطر الامکان مجھے

جہی میں بھی کہ نہ ہونی جھلک تلک کی روزان کی طرح اویہ کا آزار رو گیا
دوسرا ہے غزال کی سمجھت سے ہے خبر آئندہ سال تک جو گرفتار ہو گیا

وہ واقعتیں مر مرادو ہے عزیزو! اب اللہ ہی اللہ ہے

